اسلامیہ پرنٹنگ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ

دہلی کے سلسلہ کی کتاب

کثرتِ ازدواج

کے متعلق ایک بےنظیر بحث - ازواج پاک نبی معصوم کے

سچے واقعات زندگی اور مخالفوں کے دندان شکن جواب

مصنفہ میرزا حیرت دہلوی

مطبوعہ کرزن پریس دہلی

سنہ ۱۳۲۳ ہجری

قیمت ۸/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کثرت ازدواج

کثرت ازدواج کا مسئلہ چونکہ معاشرت اور تمدن سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اس لیے بہت ہی دلچسپی سے پڑھا جائیگا اور عام طور پر خیال رجوع کرنے کے لیے اس سے زیادہ ضروری مضمون شاید اور نہ نکلے۔ عورت جو انسانی معاشرت کی ایک جزو اعظم ہے ہمیشہ سے نئی نئی صورتون مین دنیا کی تماشہ گاہ پر اُس نے جلوہ کیا ہے کہین دولہن کی صورت مین آئی ہے اور کہین بی بی اور کہین ماں اور کہین بیٹی کی۔ تعلقات کے اختلاف کی وجہ سے اس کے مدارج مین بھی فرق ہوگیا اور یہ فرق اگرچہ کل قومون مین بتین طور پر پایا جاتا ہے مگر اس کا رنگ بھی ہر ملک مین جا کے بدل گیا ہے اور قدرت کبھی اُسے ایک حالت پر قایم نہین رکھتی۔ عورت جسکی تعظیم اخلاقی طور پر بہت ضروری تھی اور وہ بحیثیت اسکے کہ دنیا کی ماں ہے بہت ہی محترم گنی جاتی ہے مگر انسانی غرور نے اول روز سے اس کا مناسب احترام نہین کرنے دیا اور اُسے ایسی شرمناک حالت مین رکھا جس سے زیادہ شرمناک ملنی ممکن نہین۔

اگر نفیس تمدن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ واجب الاحترام چیز دنیا مین کوئی نہین ہوسکتی کیونکہ ایک طرف تو یہ انبیا کی ماں ہے اور دوسری طرف شہنشاہوں کی اور پھر علما اور فقرا کی اسی سے سب پیدا ہوئے اور اسی کا خون کھا کھا کے رحم مین پرورش پائی مگر بڑے ہو کے سب نے اس کے واجب اعزاز سے پہلوتہی کی اور نہایت ناانصافی سے اُسکے ساتھ برتاو کیا۔ یہ کمال اُس عورت مین ہے کہ پیٹ مین یہ رکھے پیدا ہونے کے بعد پرورش یہ کرے

...وہ یہ پلائے اور نہایت بے بس حالت مین انسان کی خبر گیران ہو مگر جب وہ بڑا ہو جائے اور
...ن مین قوت آجائے تو پھر اپنی اتنی بڑی محسنہ کیطرف توجہ بھی نکرے بلکہ حاکمانہ طور پر اس پر
...رے اور یہ سمجھے کہ جس طرح دنیا کی اور چیزین نباتات جمادات کی قسم سے میرے فائدے کے
...بنائی ہین اسیطرح عورتوں کو بھی میری اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے۔ مین جس طرح ان سے
...سے پیش آؤن مجھے زیبا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالٰی نے انسان کو ناسپاس فرمایا ہے
...ئی شک نہین کہ اس مین ناسپاسی کی صفت موجود ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ جبلی ناسپاس ہے
...جب سے دنیا مین تاریخ کا کھوج لگتا ہے کبھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ... نے بھی عورت
...ت کرنا تو کجا اُسپر رحم کھایا ہو اور اُس کے حقوق اُسے پورے دیئے ہون۔ ہمیشہ عورتون
...ہوا اور ہمیشہ ان کے حقوق غصب کئے گئے اور بلاوجہ اُن پر تاخت کی گئی۔ ...لام اگر اُنکی
...یت نکرتا تو وہ خبر نہین بربادی کی کس حد تک پہنچ جاتین اور اس سے مخلوق پر کس درجہ تباہی
...ئی عورت کیسی ہی پارسا ہو اور کیسی ہی عاقل اور ہوشمند ہو مگر مرد کے آگے نادان سمجھی جاتی ہے
...اور کبھی اُس سے اہم معاملات مین مشورہ نہین لیا جاتا اور نہ اُسکی کسی بات پر عمل کیا جاتا ہے
حضرت مسیح علیہ السلام جیسا عیسائیوں کا خیال ہے بے باپ کے پیدا ہوئے اگر یہ سچ بھی مان
لیا جائے تو یہ معجزہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کا تھا نہ کہ حضرت مسیح کا مگر قوم نے اپنی اُسی
...تی عادت کے بموجب اور اپنی جبلی خاصیت کے مطابق حضرت مریم کو تو پوچھا بھی نہیں اور حضرت
مسیح کی آؤ بھگت کی اور آخیر اُنھیں تیسرے آسمان پر چڑھا دیا۔ زیادہ حمیت کا جوش آیا تو حضرت
مسیح سے اُنکی مان کو جھڑکیاں دلواوین اور گھر مین تک نہ گھسنے دیا۔ یہ تعظیم ہے جو گزشتہ دنیا نے عورتون
...کی اور یہ توقیر ہے جو اُس کائنات کی مان کی کی گئی۔ موجودہ زمانہ مین عورتین خواہ کتنی ہی ترقی
...جائیں لیکن رہیں گی مردہی کی دست نگر اور اس وجہ سے وہ کبھی آگے نہین بڑھ سکتین۔
عورتوں کی ایک دردانگیز کہانی ہے اور انکی بیتی ایسی خون آلود ہے کہ سخت سے سخت دل
...ہار لفظ بھی نہ سن سکے گا۔ دنیا کی پیدائش سے ابتک (سوائے زمانہ اسلام کے) عورتوں کا
ہمیشہ زوال رہا ہے اور اُنھون نے کبھی قوم کے ساتھ ترقی نہیں کی اور نہ اُنھیں کبھی عروج ہوا
...ہمیشہ مطیع رکھی گئیں اور وہ بھی اس بری طرح سے کہ خدا نہ دکھائے۔ روشنۃ الکبرٰی جو مغربی

عیسائیت کا پایہ تخت تھا عورتوں کے لحاظ سے سخت زبون ترین حالت مین تھا۔ پادریوں کے
ادنی سے اشارہ مین شاہراہوں پر ذبح کروا ڈالی جاتی تھیں اور بے درد اف تک نہ کرتے تھے
اُنھیں نہ مثل لونڈیوں کے بنا رکھا تھا بلکہ سنگدلی سے اُن پر جابرانہ حکومت کرتے تھے نہ اُنکی
آسایش سے غرض تھی اور نہ خوشی سے۔ وہ چاہے دکھہ میں رہین یا خوشی مین رکھیں مرد کو خوش۔
اُن کے خلاف پادریوں کے جتنے فتوے جاری ہوتے تھے اُنکی بہت آسانی سے بے چون وچرا
تعمیل ہوجاتی تھی اور اُنکی جان سب سے زیادہ ضیق مین پھنسائی جاتی تھی۔

جادو کے الزام مین بھی خدا کی اسی مظلوم مخلوق پر دنیا مین کیا کیا آفتین برپا ہوگئین اور کیا
کیا ستم ٹوٹ گئے کس طرح ایشیا اور یورپ مین زندہ جلا دی گئین اور کس بیدردی سے اُنھین
تھو تھے تیروں اُڑا دیا گیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کر کے بچے نکالے گئے اور اُف ظالمون
کو ذرا ترس نہ آیا جتنے خراب نام کہ انسان اپنی زبان مین تراش سکتا تھا سب ان ہی بدبختوں
کے لئے موزوں کئے گئے اور پھر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ اُنھین شیرخوارگی کی حالت مین زندہ درگور
کیا گیا اور نامردون نے اپنی اُس بزدلی پر بغلیں بجائین۔ اُف سنگدلی تو کیسی بے رحم ہے
کہ تجھے کبھی اُن معصوم بچیوں پر ذرا رحم نہ آیا جن مظالم کا ذکر پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے
ہین وہ دیدہ و دانستہ بے گناہ بے بس عورتوں پر توڑے گئے اور ذرا بھی درد نہ آیا۔ وحشی اقوام
کے دستی معبودوں کے قدم مدت تک بیگناہ عورتون کے خون سے تر رہے ہین۔ خانقاہوں
اور گرجوں کے تہ خانے اور مندروں کی کوٹھریاں۔ ان بیگناہوں کی لاشوں سے مدتوں سڑا کی
ہین۔ ایک راہب یا پادری کا معمولی اشارہ صدہا عورتوں کے لئے عزرائیل کا حکم رکھتا تھا۔
اُنھین صدیوں تک نہایت شرمناک حالت مین رکھا گیا ہے وہ شرمناک حالت جو نہ آنکھوں سے
دیکھی جاسکتی ہے نہ شیطانی اوہام اُنکا احاطہ کرسکتے ہین۔ رومتہ الکبری مین کیا ہوا۔ مشرقی
سلطنت یعنی قسطنطنیہ مین کیا میتی ہندوستان مین ان سے کیا سلوک کیا گیا ایران مین ان پر کیا
کیا آفتیں نازل ہوئیں اور سب سے زیادہ یورپ مین انپر کیا کیا ستم ٹوٹے۔ عیسائیوں کے
خانقاہوں اور گرجوں نے ہندؤں کے مندرون اور شوالون نے آتش پرستوں کے آتشکدوں
نے یکل شرمناک اور خونی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہین اور وہ کل قیامت کے دن رب الافواج

کی بارگاہ مین عورتوں کے مظالم کی عینی شہادت ہے۔

جہاں اُن پر یہ ظلم کئے جاتے تھے وہاں اُنکی اخلاقی حالت بھی بالکل مٹایا جا رہا تھا۔ ایران مین تو بی بی اور بہن کی تمیز ہی اُٹھ گئی تھی مشرقی نصاری ماں کو ماں ہی نہ سمجھتے تھے اور ہندوؤں نے تو اُنھین یہانتک برباد کیا تھا کہ ایک ہی عورت کئی بھائیوں سے تعلق پیدا کرے جسمانی سزاؤں کے علاوہ یہ اخلاقی آفتین تھین جو اُن پر توڑی جاتی تھین اور کائنات کی ماؤن کی علانیہ یہ درگت بنائی جارہی تھی۔ پیغمبر۔ اوتار۔ اور مصلح پیدا ہوئے اور اپنی ہی جنس کے بہبودی کے قواعد بنا کے چلدیئے مگر کسی نے بھی سوائے خاتم النبیین کے اُنکی دردناک حالت پر توجہ نہین کی حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت یعقوب علیہم السلام نے عورتوں کے ساتھ کیا کیا اور کون سے احکام نافذ فرمائے حضرت مسیح نے عورتوں کے کون سے حقوق برقرار رکھے ہندوستان مین ویدوں کے مصنفون نے کیا کیا اور بودھ نے اپنے اصلاحی اور فنافی اللہ مذہب سے عورتوں کو کیا فائدہ پہنچایا۔ کچھ بھی نہیں بس اگر کیا تو یہ کیا کہ اُنھیں اور بھی آفت مین پھنسادیا اور اُنکی کچھ بھی چارہ جوئی نہین کی۔

دنیا مین اگرچہ کل قوموں کے مرزبوم کے اختلاف کی وجہ سے خیالات۔ محسوسات۔ معاشرت اور تمدن بالکل الگ الگ ہین مگر عورتوں کے معاملہ مین یہ عجیب بات ہے کہ سب کی ایک ہی رائے اور ایک ہی خیالات ہین اور جہانتک ممکن ہوا ہے ہر شخص نے دوسرے شخص کی تائید ہی کی ہے۔ ظلم کی ایک حالت ہے جو جنوب و شمال اور مشرق و مغرب یکساں پائی گئی ہے اور اس مین نہ یورپ مین جا کے کچھ فرق آیا ہے اور نہ ایشیا مین جا کے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز سے دنیا دنیا بنی وہ کتنی احترام کے قابل ہونی چاہئے مگر نہین اُسے حتی الامکان قدموں کے نیچے کچلا گیا اور اُس کے برباد کرنے کی کوشش کی گئی۔ نہ مذہبی قوانین نے عورتوں کی رعایت کی نہ ملکی قوانین نے اُن پر کچھ ترس کھایا۔ ان کے حق مین تو سب ہی عزرائیل ثابت ہوئے اور اُن کے گلے پر تو ہمیشہ سب کی چھری تیز رہی۔

جتنی قومین دنیا مین ہوئیں اور برباد ہوگئین اور جتنی قومین کہ آج دنیا مین موجود ہین سوائے ایک قوم کے (بشرطیکہ اُسے اُس کے دینی پہلو سے دیکھا جائے) کوئی قوم نہ ایسی ہوئی نہ اب

موجود ہے جس نے عورتون کا پاس و لحاظ کیا ہے جنھین مردوں کے پہلو بہ پہلو حقوق دیئے ہوں اور اُنکی ایسی تعظیم کی ہو کہ اُن کے قدموں کے نیچے جنت رکھدی ہو یعنی اُنکی اطاعت کو نجات کی کنجی بنایا ہو۔ کس نے عورتوں کو ام المؤمنین کا محترم لقب دیا ہے اور کس نے عورتوں کو مردوں کا سرتاج بنایا ہے۔ قرآن نے جہاں روحانی فضائل کی بنیاد دنیا مین قائم کی ہے وہاں انسانی تمدّن کو بھی آسمان پر چڑھا دیا ہے اور کائنات کی ماں یعنی عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی پیمانہ مین رکھا ہے مثلاً جہاں اولاد کو حکم ہوا ہے کہ تم اول کس پر احسان کرو تو وہان "والدین" کا لفظ فرمایا ہے۔ اس مین ماں باپ دونوں ہی آگئے اب یہاں سے گویا عورت و مرد کی مساوات کا سلسلہ قائم ہوا اور اُس نے مہیب مظالم کی تقویم پارینہ کو بالکل پارہ پارہ کر دیا۔ یہ ایک عجیب اصول تھا جو اسلام نے تمام دنیا کے خلاف قائم کیا اور یہ ایک اعجوبہ قانون تھا جو دنیا نے اس سے پہلے کبھی آنکھ سے نہ دیکھا تھا اگرچہ اب یہ محض معمولی نظروں سے دیکھا جائے گا مگر جب یہ خیال کیا جائیگا کہ یہ حکم کسوقت دیا گیا تھا تو اُسکی وقعت پوری اُسوقت دل مین جمے گی۔ دنیا ایک ہی طریقہ پر چل رہی ہو اور تمام عالم کا ایک ہی خیال ہو اور پھر ایک شخص دنیا کے بدترین خطّہ مین پیدا ہو کے مخالفت کرے اور دنیا سے لڑنے کھڑا ہو جائے اور پھر اپنے اس دشوار کام مین تمام اقوام سے بازی لیجائے فی الحقیقت ایک نادر الوجود بات ہے بظاہر فطرت نے عورت و مرد مین فرق رکھا ہے اور دونوں کی جسمانی بناوٹ مین جو کچھ اختلاف ہے وہ چھپا ہوا نہین ہے مگر اس اختلاف کا یہ نتیجہ نہین ہے کہ عورت مرد کی اطاعت کرے اور اطاعت بھی کیسی کہ مثل جمادات۔ نباتات کے اُس کے مقابلہ مین بھی جائے دنیا کا کوئی کام ایسا نہین ہے جو عورتین نہ کر سکین وہ کسی حالت مین معذور نہین ہین۔ میدان جنگ مین اُنھوں نے کام کیا ہے اور جہانداری مین یہ حصّہ دار اور نامور رہی ہیں۔ انکے کارنامے عالم مین مشہور ہین اور انکی ذہانت۔ طبّاعی اور عقل کے زمانہ نے ہمیشہ داد دی ہے۔ بایں ہمہ ہر قوم نے ان پر ظلم کیا اور دنیا کے ہر ملک مین انھین انسانی اشرفیت کا ایک بدنما داغ خیال کیا گیا۔ رحم اور صبر فطری طور پر ان مین زیادہ ودیعت ہوا ہے اور یہ بہ نسبت مردوں کے زیادہ جفاکش اور محسن پرست ہوتی ہین۔ ان بیچاریوں پر طرح طرح

کے حملے کئے گئے کبھی انھیں انتہا درجہ بزدل ثابت کیا گیا کہیں انکی عصمت مونہہ آیا گیا اور کہیں انھیں شیطان سیرت بتایا گیا ہمیشہ ان کے عیب تل کے پہاڑ بنا کے دکھائے گئے اور مردون کے مقابلہ میں بہر صورت انھیں ناچیز ٹھہرایا گیا۔ وجہ نہیں معلوم ہوئی کہ ایک ہی جرم ہے اور دو عورت و مرد اُس کے مرتکب ہین مرد سے تو کچھ نہ کہا جائے مگر عورت کی گردن ماردی جائے۔ مرد نے زبردستی خلاف فطرت عورت کو اپنا محکوم بنالیا ہے اور وہ اس پر جابرانہ حکومت کرتا ہے۔ عورتوں کے فریب دغابازیاں ہر قوم میں مشہور ہین اور عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ عورت سے زیادہ فریبی دنیا مین کوئی نہ ہوگا۔ مگر یہ یک طرفہ فیصلہ ہے خود ہی مدعی خود ہی مجوربن کے جاہے جو کچھ کر دیا۔ فیصلہ ہمیشہ ثالث شخص کیا کرتا ہی اور چونکہ ثالث کوئی ہے نہین اس لئے اُس فیصلہ کی کوئی وقعت نہین جو مدعی نے خود ہی کرلیا ہو۔ عورتوں کے سر جسقدر فریب چپکے جاتے مین اگر وہ سب تسلیم کر لئے جائین پھر بھی اُن دغابازیوں اور جعلسازیوں سے جو شب و روز مرد کرتے رہتے ہیں عورتوں کا درجہ بہت ہی گھٹا رہے گا اگر مرد نے لاکھہ خون کئے ہین تو عورت نے بمشکل ایک کیا ہوگا اگر مرد نے ہزار بار فریب کیا ہے تو عورت نے ایک بار کیا ہوگا۔ یہ ایسی بدیہی باتین ہین کہ ان سے کوئی انکار نہین کرسکتا۔ مگر محض ذاتی اغراض کو مدنظر رکھہ کے اپنے معائب سے چشم پوشی کیگئی ہے اور عورت کے ہرادنیٰ سے ادنیٰ عیب کو بانس پر چڑہایا ہے عورت کی بدکاری سخت نفرت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے جبکہ مرد کی بدکاری پر اتنا خیال نہین کیا جاتا۔ یہ انتہا درجہ کی خودغرضی نہیں تو اور کیا ہے۔

عورت ایک دفعہ عیب کرنے کے بعد پھر تمام عمر کسی کام کی نہین رہتی مگر مرد تمام عمر بھی عیب کرے اُسکے عیب عیب ہی نہین گنے جائیں گے۔

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا ہے دو سلطنتیں ہمسایہ بھی تھیں اور قوی ترین بھی تھین ایک زردشتی مذہب کا پایۂ تخت تھا اور دوسرا مشرقی عیسویت کا دارالامان تھا یعنے ایران اور قسطنطنیہ رومتہ الکبریٰ کا کبھی کا چراغ گل ہوچکا تھا اور وحشی قومین کبھی کی اُسکی اینٹ سے اینٹ بجاچکی تھین۔ ایران مین تو عورتوں کے لئے کوئی بھی قانون نہ تھا نہ اُن کے

کچھ حقوق سلطنت کی طرف سے اُنھین عطا ہوئے تھے اور نہ شوہر کے گھر جانے سے وہ کسی قسم کے حقوق حاصل کر سکتی تھین۔ بلکہ اُن پر تمام دنیا کے حق تھے اور ذلیل سے ذلیل کام لینا جائز قرار دیا گیا تھا۔ اسی آزادی نے قدیم سے کئی کئی شادیون کی رسم کی دنیا مین بنیاد قائم کی اور لوگ محض اس وجہ سے کہ یہ مثل ایک بازار کی چیزوں کے ہین جتنی چاہتے گھروں مین بھر لیتے بس اُنکی خبر گیری اسی قدر کیجاتی تھی کہ بہت معمولی کھانا دیدیا موٹا جھوٹا کپڑا پہنا دیا اور اُس کے صلہ مین اُن سے تمام دنیا کے کام لئے اس کے علاوہ اور کسی قسم کی خبر گیری سے کام نہ تھا اور مثل بیکار جانوروں کے اُنھیں سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ خیال تھا کہ دنیا مین عورتین صرف اولاد کے لئے پیدا کی ہین ورنہ ایسی بیکار چیز کے پیدا کرنے کی کوئی غرض نہین ہو سکتی۔ تماشہ کی بات ہے کہ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ تو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور کل وارث وہی قرار دی جاتی تھی مگر اس کمبخت کے لئے وہی ڈھاک کے تین پات موجود تھے۔ مثلاً ہندوؤں کے ملکی قانون مین موجود ہے کہ بی بی خاوند کی جائداد مین سے سوائے گزراوقات کے اور ایک پیسہ لینے کی مستحق نہین ہے اور قانوناً اُسے کچھ بھی اختیار نہین ہے کہ بیٹے کے مقابلہ مین جو اُسی کے بطن سے ہے ایک پیسہ بھی لے سکے اسیطرح بھائیوں کے مقابلہ میں وہ اپنے باپ کے ورثہ کی بھی مالک نہین بن سکتی اور اس حسرتناک حالت مین وہ اپنی زندگی گزار دیتی ہے وہ مظالم جو قدیم زمانہ مین عورتوں پر ہو چکے ہین اُن کا بقیہ چلا جاتا ہے اور شاید جب تک یہ کل قومین مسلمان نہو جائین عورتوں کی حالت درست نہین ہو سکتی۔ ایران کی بھی یہ ہی کیفیت تھی بلکہ ایرانی معاشرت تو ہندوستان سے بھی کئی درجہ آگے بڑھ گئی تھی۔ ہندوستان میں تو صرف اسی قدر تھا کہ چار بھائی ایک ہی عورت سے شادی کر سکتے تھے۔ اور بعض اوقات عورت جبراً راضی کیجاتی تھی۔ کیا کرتی ظالم مارے اور رونے دے۔ مگر ایران مین صلبی تعلقات پر بھی مٹی پڑ گئی تھی۔ سگی بہن۔ بیٹی اور بعض اوقات ماں بھی بی بی بنالی جاتی تھی اور ایک شخص کے لئے اسکی بیٹی اسلئے جائز کر دی گئی تھی کہ باغبان جس طرح درخت بو کے اس کا پھل کھانے کا قدرتاً حقدار بنایا گیا ہے اس بنا پر باپ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ بیٹی کو اپنے استعمال مین لائے اگرچہ ایران مین اس قبیح رسم کو کوئی عیب نہین گنا جاتا تھا اور چونکہ عام طور پر رائج تھی اس نظر سے یہ کچھ عیب

بھی نہ رہی تھی۔ تو بھی عورتوں کی انتہائی نکبت کا اس سے پتہ چلتا ہے جب ان ناپاک تعلقات کا سلسلہ قائم تھا پھر ادب آداب اور عورتوں کی تعظیم و تکریم اور اُنکے حقوق کیونکر قائم ہوتے اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ فرض کرلین کہ یہ رشتے دنیا مین انسان کے قائم کئے ہوئے ہین اور خدا کو اس مین کچھہ دخل نہین تو یہ سوال کرتے ہین کہ یہی قاعدہ دنیا مین جاری ہوجائے تو پھر معاملات۔ تغیر و تبدل۔ انتقال جائداد۔ پاس ادب۔ حقوق کی نگہداشت۔ تمدن کے اجزا مین کیونکر قائم رہ سکتی ہے اور جب دنیا سے تمدن اُٹھ گیا تو پھر آبادی اور سرسبزی ہر ایک کام مین باقاعدگی اور انتظام کیونکر قائم رہ سکتا ہے یہ تعلقات اگر براہ راست خدا کی طرف سے قائم کئے گئے ہین تو الحمد للہ پھر تو کچھہ لکھنے کی ضرورت نہین ہے اور اگر انسان نے قائم کئے ہین تو خوب سمجھہ لو کہ جس عقل نے یہ قوانین تراشے وہ فطری عقل ہے اور اس مین ایزدی تائید ضرور ہے۔

سلطنت مشرقی یعنے قسطنطنیہ کی اور ہی کیفیت تھی یہان کثرت ازدواجی نے بہت ہی دقتین پیدا کردی تھین۔ پادری اگرچہ شادی نہین کرتے تھے مگر شادی والوں سے اچھے پڑرہتے تھے۔ خانقاہوں مین جہاں خداوند مسیح کی مجسم تصویر کی پرستش ہوتی تھی اور جہاں روح القدس روزمرہ تیسرے آسمان سے پادریوں پر نازل ہوتی تھی زناکاری کی انتہا ہوگئی تھی پادریوں کا لوہا چونکہ سب پر تیز تھا اس لئے اُنکے فیصلہ سے کوئی انکار ہی نہین کرسکتا تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں اُنکے لئے جائز اور حلال تھین اور مظلوم عورتین بھی اپنی جان اور اپنے رشتہ دارون کی بربادی کے خوف سے اپنی عصمت کا تاج فروخت کرنے مین کچھہ بھی پس و پیش نہ کرتی تھین۔ باینہمہ پادری اپنے تقدس کی وجہ سے اس تعلق کا اظہار بھی نہین کرنا چاہتے تھے اس لئے حاملہ عورتین اُن تہ خانون مین رہتی تھین جو ہر خانقاہ اور ہر گرجے میں بنے ہوئے تھے۔ وہین اُن بیگناہ لڑکیوں کا وضع حمل ہوتا تھا اور وہیں رحم دل پادری کے حکم سے نو پیدا بچہ مار دیا جاتا تھا اور اسی طرح روح کی برکت کی پوری تکمیل ہوجاتی تھی۔

جب تک سلطنت مشرقی مین شخصی حکومت رہی عام طور پر زیادہ عورتوں کے کرنے کی روک ٹوک رہی مگر جب سے پادریوں کی جمہوری حکومت کا رنگ سلطنت نے اختیار کیا

یہ قید بھی جاتی رہی اور عام طور پر ہر شخص کو اجازت ہوگئی کہ وہ جتنی چاہے عورتین رکھے۔ ساتھ اس حکم کے عورتون کے حقوق مین کچھ بھی رعایت نہین کی گئی اور نہ اُنہین کوئی ایسا قانون دیا گیا کہ وہ مردوں کے مقابلہ مین اپنی حفاظت کرسکین۔ اُنھین مثل اثاث البیت کے خیال کیا جاتا تھا عدالتیں تھین مجوز اور منصف تھے مگر عورتوں کے لئے اُن کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ خاوند کو حق حاصل تھا کہ وہ جسطرح چاہے اپنی بیبیوں کو رکھے اُنکی جانون کا بھی اُسے اختیار حاصل تھا اور اُنکے مال کا بھی وہی مالک ہوتا تھا۔ چونکہ حضرت مسیح نے کوئی صاف یا مبہم حکم عورتوں کے حقوق کا نہین دیا تھا اور نہ کثرت ازدواج کی طرف کوئی اشارہ کیا تھا اس لئے ہر شخص سلطنت کی طرف سے عورتوں کو رکھنے اور اُن سے ہر قسم کا برتاؤ کرنے کا مجاز کردیا گیا تھا۔

اُن سلطنتوں کی تو یہ کیفیت تھی مگر جہاں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا وہاں عورتوں کی اور بھی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ سوتیلی ماں کو بی بی بنا لینے کا قانون نصرانیون مین عام طور پر جاری تھا۔ نو پیدا بچیوں کو زندہ درگور کر دینے کی ہولناک رسم بہت شدت سے کیجاتی تھی۔ یہودی۔ نصرانی۔ بت پرست اور ستارہ پرست قومیں سب کئی کئی بیبیاں رکھتی تھیں مگر اُنھیں مثل معمولی جانوروں کے خیال کیا جاتا تھا اور خاندان مین انکی کوئی بھی وقعت نہ تھی اُس زمانہ مین حضور انور کا ظہور ہوا اور آپ نے بہت غور اور درد سے عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھا اور آپ نے اُن کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ قدم قدم پر خدائے تعالیٰ کی تائید شامل تھی اور آپ کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے سرزد ہوتا تھا آپنے عورتون کی معاشرت کو جیسا بلندی پر پہنچایا قیامت تک فرقہ اناث آپ کا ممنون رہیگا۔ آپنے سب سے پہلے عورت اور مرد کے اُس امتیاز کو دور کیا جس سے عورتیں بے حقیقت لونڈیاں اور مرد اُن پر حاکم بن گئے تھے آپنے دونوں کے جرم کو ہموزن قرار دیا اور زانی اور زانیہ کی ایک سزا رکھی۔ ساتھ ہی آپ نے دونوں کے حقوق کی مساوات کی اور ایک قدیم فرق کو بیچ سے اُڑا دیا۔ آپ نے اُنکے مدارج مقرر کئے اور سب کے ساتھ احسان کرنا فرض قرار دیا۔ آپ نے اگر مرد کو طلاق دینے کی قوت عطا کی تو عورت کو اُسکے مقابلہ مین خلا کی قوت عنایت کی۔ آپ نے

لڑکی کا ورثہ باپ کی جائداد مین سے بھائیوں کے مقابلہ ایک حصہ مقرر فرمایا اسوجہ سے کہ لڑکی کو اپنے خاوند کا بھی حصہ ملیگا اور ساتھ ہی مہر کا بھی وہ حق رکھتی ہے اور لڑکے کو دوہرا حصہ اس لئے دیا کہ وہ کسی غیر شخص کے ورثہ کا مالک نہین ہوسکتا۔ قاضی مقرر فرمائے اور عورتوں کو بالکل آزادی دے دی کہ اگر اُن کا خاوند کوئی تکلیف دے یا ظلم کرے توفوراً قاضی سے دادرسی کیجائے۔ عورت اپنے مال کی آپ مالک ہے اور خاوند کسی صورت سے بغیر اسکی مرضی کے اُسکے مال کا مالک نہین بن سکتا ہمیشہ اُسے اپنے خاوند سے مہر لینے کا حق حاصل ہے اور وہ بغیر خاوند کی اجازت کے اپنے قرضدار پر عدالت مین دعوی کرسکتی ہے۔ اوران سب باتون پر مافوق یہ بات ہے کہ اگر عورت نصرانی ہے اور خاوند مسلمان وہ ہرگز اپنی بی بی کو گرجے مین جانے اور مذہبی ارکان اداکرنے سے نہیں روک سکتا اس سے زیادہ آزادی دنیا کے کس مذہب اور کس ملحد گروہ نے عورت کو دی عورت کو کائنات کی سچی ماں بنادیا اور اُس کا احترام اسی شدومد سے کیا گیا جتنا کہ ہونا لازمی تھا۔

اب بحث یہ ہے کہ اسلام مین کثیرالازدواجی کا مسئلہ کس حدتک رائج ہے اور اس کی اصلیت کیا ہے آیا یہ ایجاد مسلمانوں کی ہے یا پہلے بھی یہ مسئلہ اُن مین جاری تھا اسلام نے اس مسئلہ کے متعلق کیا رائے ظاہر کی ہے اور اسے کس حدتک سلجھایا ہے اور کتنی اس مین اصلاح کی ہے اور اسلام کی کثرت ازدواجی کے کیا معنی ہین۔ غور کرنیکا مقام ہے کہ اب بھی یعنی اس تمدن اور تہذیب کے زمانہ مین بھی دنیا کے تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام مین کثرت ازدواجی جاری ہے خواہ جائز طریقہ پر اور خواہ ناجائز صورت سے اور کبھی دنیا اس سے خالی نہین ہوئی نہ آئندہ کوئی امید کیجاتی ہے کہ یہ مہیب رسم انسان مین سے مٹے گی اگر یہ بھی قبول کرلیا جائے کہ مسلمانون مین کئی کئی نکاح کرنے جائز ہین توساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُنکے ہان جائز طریقہ سے کثرت ازدواجی جاری ہے برخلاف متمدن اقوام یورپ کے کہ اُنکے ہان کثرت ازدواجی جاری تو ہے مگر ناجائز اور مہیب طریقہ سے اور اس کا بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ یہ ناجائز طریقہ قوم اور ملک کے لئے کیسا خطرناک ثابت ہورہا ہے۔ پیرس۔ لندن برلن اور وائنا کے سیاح جنھون نے برسوں رہکے ان مغربی ممالک کی معاشرت دیکھی ہے

وہ کہہ سکتے ہین کہ یہاں کثرت ازدواجی کس مہیب طریقہ پر جاری ہے اور تمدن پر اُسکا کیسا خطرناک اثر پڑ رہا ہے منصف مزاج یعنے حق گو شخص کہہ سکتا ہے کہ فی ہزار مشکل سے ایک شخص ایسا نکلے گا جو ناجائز کثرت ازدواجی سے بچا ہوا ہو ورنہ سب اس بلائے بے درمان مین گرفتار ہین۔ اگر اس ناجائز کثرت ازدواجی کے کوئی نئے معنی پیدا کر لئے یا اسے مغربی تمدن کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے تو یہ دوسری بات ہے مگر انسانی اخلاق کی رو سے ایسی کارروائی سخت ناجائز اور خلاف شان ہے۔ پیرس کی جو کچھ حالت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہین ہے اور اسی طرح یورپ کے کل پائے تختون کی یہی کیفیت ہے ایک کتاب مین جس پر مصنف کا نام نہین لکھا ہے (اور جو یورپ مین انتہا درجہ مقبول ہے اور جو یورپ مین ہر زبان مین کئی کئی بار طبع ہو چکی ہے اور جس کا نام ایلیمنٹس اف سوشل سائنس ہے) یورپ کی کثرت ازدواجی کی بحث ہے اس نے دکھایا ہے کہ پیرس مین بالخصوص کیا خرابی پھیلی ہوئی ہے وہان حرام کاری کے لئے کیسے اڈّے بنے ہوئے ہین اور کس طرح غریب دیہاتیون کی ناواقف دوشیزہ لڑکیاں محض فریب دیکے امرا کے لئے لائی جاتی ہین اور امرا کی حالت کیسی خراب ہے اور فرقہ اناث کی کیا کیفیت ہے۔ اور وہ عام طور پر ایک شراب کے پیالہ پر کس طرح اپنی عصمت علانیہ فروخت کر ڈالتی ہین اور ایک ایک دولتمند شخص کتنی کتنی لڑکیون سے تعلق رکھتا ہے اور عام طور پر یہ ناپاک رسم سارے بر اعظم یورپ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس جم غفیر مین پارسا مرد و عورت بھی ضرور ہونگے مگر ایسون کا شمار صرف انگلیوں پر ہے اور کوئی شخص نہین کہہ سکتا کہ انکی ہمیشہ یہی کیفیت رہے گی۔ ڈاکٹر موسیو لیبان مصنف تمدن عرب نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں کا جائز کثرت ازدواج یورپیوں کے ناجائز کثرت ازدواج سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے اسلام پر جس دریدہ دہنی سے نکتہ چینی کیجاتی ہے اور جس بُری صورت مین اُسے پیش کیا جاتا ہے وہ مہیب صورت بھی یورپ کی موجودہ معاشرت کے آگے کچھہ حقیقت نہین رکھتی۔ فی الحقیقت عصمت عنقا ہوگئی ہے اور یوروپی ممالک مین اُس کا بمشکل کھوج ملتا ہے۔ فرض کرو کہ اسلام مین اگر دو دو چار چار بیبیوں کے کرنیکی رسم رائج بھی ہو پھر بھی ایک منصف مزاج شخص کے آگے انکا یہ فعل بدرجہا

شخص گنا جائیگا اور یورپ کی ناجائز کثرت ازدواجی سخت مکروہ معلوم ہو گی جب سے دنیا کا ظہور ہوا ہے کثرت ازدواجی کی رسم ہر قوم مین برابر چلی آتی ہے اور اس وقت بھی تمام دنیا پر بڑے زور شور سے جاری ہے ایسے شخصوں پر ہنسی آتی ہے جو مسلمان تو نہین ہین مگر ہندو یا عیسائی ہین جب کبھی کثرت ازدواجی کا ذکر آتا ہے تو بہت ہی آنکھ بھوں چڑہا کے کہتے ہین کہ مسلمان کئی کئی بیبیاں کر لیتے ہین یہ قوم نفسانی خواہشون مین کیسی گرفتار ہے مگر جب وہ اپنے گریبان مین منہ ڈالین اور باقرار صالح شہادت دین کہ سوائے دو ایک صابر اور زاہد نفوس کے کون شخص ہے جو اپنی بی بی پر قانع رہا اور اُس نے کسی دوسری طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھا بڑے بڑے رئیسوں۔ رشیوں۔ سادوں کی کیفیت ہمین معلوم ہے غربا اور متوسط درجے کے لوگ بھی اس مین مبتلا ہین پھر ایسی شرمناک معاشرت مین گرفتار ہو کے مسلمانون کی جائز معاشرت پر اعتراض کرنا یہ کچھہ خوبی کی بات نہین ہے۔

دوسرا پہلو ہماری بحث کا یہ ہے کہ جس ہیبت ناک طریقہ سے اسلام کی کثرت ازدواجی دکھائی گئی ہے اس مین حق سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی حق بات قلم سے نہ نکل جائے۔ ہم اُس مسئلہ پر بھی ایک بسیط بحث کرینگے اور خدا کی امداد کی امید پر ہم کہہ سکتے ہین کہ ہماری کثرت ازدواج کی بحث ایک حد تک کامل ہو گی۔ مطالب بھی صاف عیاں ہو جائینگا اور معترضوں کے کل اعتراض بھی رفع ہو جائینگے سخت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ پچھلے سال ایک ایسی کتاب کی ہندوستان میں اشاعت ہوئی ہے جو نہ صرف نہایت بد تہذیبی سے لکھی گئی ہے بلکہ بانی پی پی کے کوسا گیا ہے اور جی بھر بھر کے خدا کی کروڑہا مخلوق کے ہادی برحق کو ناپاک سے ناپاک گالیاں دی گئی ہین۔ وہ کتاب ہم نے بھی دیکھی تھی اور ہمین اس نظر سے سخت افسوس ہوا تھا کہ تعلیم یافتہ انسان ہو کے ایسا ناشائستہ بنے اور ایک ایسے معصوم نبی کی شان مین جسے ۱۳ صدیاں گزر چکی ہوں یوں دریدہ دہنی سے حملہ کرے اس ناپاک کتاب کے کئی جواب بھی لائق مسلمانوں نے دیئے اگرچہ وہ جوابات بہت ہی اچھے اور کامل ہین مگر پھر بھی ہر شخص کو اس وسیع اور عمیق مضمون پر بحث کرنے کی بہت ہی گنجائش ہے اور امید پڑتی

ہے شاید پے درپے کی بحثوں سے کوئی نئی بات اور پیدا ہو۔

تمام اعتراضات جو امہات المومنین یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر
جاتے ہین اُنکی اگرچہ کوئی بنیاد نہین ہے مگر اُنھین جھوٹی منطق اور فرضی وخیالی فلسفہ
ایسا جامہ پہنایا ہے کہ ناواقف غیر اسلام اُن سخت نکتہ چینیوں کو دیکھ کے سر دُھ
لگتے ہین اور یہ سمجھتے ہین کہ اسلام مین یہ یہ خرابی بھری ہوئی ہے اور اس سبب سے
اسلام کا یہ دعویٰ کہ مجھے دوسرے ادیان پر شرف حاصل ہے کرکرا ہو جاتا ہے ناواقف
کچھ ہی کیوں نہ خیال کرین ہمین اس سے بحث نہین اگر وہ تاریکی مین رہنا چاہتے ہیں
وہین اُنھین اختیار ہے ہمین تو اپنا سیدھا مسلک اختیار کرنا چاہئے شاید ہم اپنے ا
مین کامیاب ہوں اور ناظرین کا ایک حد تک اطمینان کر سکین۔

ہمین سب سے پہلے حضور انور کے اصلی منشا کو بغور دیکھنا چاہئے اور اُن نکاحون کی
پر غور کرنا چاہئے جو آپنے اپنی مبارک زندگی مین کئے۔ اگر اُنکی فطرۃ کا ہمین پتہ لگ
تو ہم سمجھینگے کہ ہم نے اسلام کا ایک اہم فرض انجام دیا۔ یہ مسئلہ اگرچہ بہت صاف
مگر بعض اختلافی روایتوں نے اُسے ایسا پیچیدہ بنادیا ہے کہ ایک محقق کو بعض اوقا
اُس کے سلجھانے مین سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس مین شک نہین کہ بعض
علماء کی مختلف رایوں نے اس مسئلہ کو گونا گون دشوار بنادیا ہے اور اس کا سمجھنا ایک حد تک
مشکل ہوگیا ہے اور حق بہت ہی گہرائی مین چلا گیا ہے مگر پھر بھی ایک محقق کے لئے تحقیق
کا بڑا میدان موجود ہے اور وہ ان ہی متضاد روایتوں سے سخت دقتین اُٹھانیکے بعد ح
کے دریافت کر لینے مین کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے دنیا مین اگر کوئی کتاب ہوسکتی ہے اور اُنکے تمام تصفیوں اور اختلا
کا فیصلہ کرسکتی ہے تو وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اُس مین کھلی کھلی باتین بھی ہین ا
فطرت کے راز بھی چھپے ہوئے ہین اور اس قسم کے کل اعتراضات کے جو آجکل چاروں ط
ہو رہے شافی اور کافی جوابات بھی ہین اسی مین عورتوں کا بھی بیان ہے اور کہین کہین
بر سبیل تذکرہ آپ کی بعض ازواج کا بھی حال ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اُسے سمجھنے

۔۔تک بہت غلطی کی گئی ہے اور یہ اُسی غلط فہمی کی وجہ ہے کہ مسلمان خمیازہ اُٹھا رہے
۔۔ن اور ایک دوسرے سے دست وگریبان ہو رہے ہین اگر ان آیتوں کا مطلب بخوبی سمجھ
۔۔ا جاتا اگر اُس راز سے جو خداوند تعالیٰ نے اُس مین مضمر رکھا ہے خبرت حاصل کرلیجاتی تو
۔۔ھر اُسکے مقابلہ مین بناوٹی روایتوں کو کبھی نہ دیکھا جاتا اور صحیح حدیثوں کی بآسانی توضیح ہوجاتی
چونکہ ہم یہاں سب سے پہلے آپ کی ازدواج پاک سے بحث کرینگے اس لئے ہمین اول سے
۔۔ھنا چاہیئے اور درجہ بدرجہ ہر نکاح کی حقیقت اور فطرت کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا ہے اور
۔۔س کا کیا مفہوم ہے اور اُس مین صداقت کا مادہ ہے حضور انور کے بچپن کا زمانہ جس راستبازی
۔۔ے گزرا اُس سے کوئی بھی انکار نہین کرسکتا ۲۵ برس کی عمر تک آپ بن بیاہے رہے اور
۔۔ پر شباب زمانہ جس اتقا اور پرہیزگاری سے بسر ہوا اُسے وہ بزرگ قوم اچھی طرح سمجھتی
۔۔ھی جو بعد ازان آپ پر ایمان لا ۔۔ تھی ۔ اگرچہ آپ اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہتے
۔۔ھے مگر وہ آپ کا ہاتھ تنگ نہ رکھتے تھے تجارت کا کاروبار آپ کے سپرد کر رکھا تھا اور
۔۔پ جس دیانت داری سے اپنے فرائض کی انجام دہی کرتے تھے وہ ایسی مصدقہ ہے
۔۔ہ اُس مین کسی مخالف کو بھی اعتراض کی گنجائش نہین ہے ۲۵ برس کی عمر مین جوانی کا پورا
۔۔بھار ہوتا ہے اور عرب کی ناپاک معاشرت اور نصرانیوں کے غلیظ رسم و رواج سے اگر
۔۔یسی عمر مین کوئی حصہ لیا جاتا تو وہ اُس خطہ مین نہ دشوار تھا نہ زیادہ نکتہ چینی کے قابل تھا
۔۔گر نہین روح القدس جو پیدا ہوتے ہی آپکی ہمقرین رہی تھی ایسی ناجائز اور انسانی فضیلت
۔۔ داغ لگانے والی معاشرت کا آپکی طبیعت مین کبھی خیال بھی نہ آنے دیتی تھی ۔ جب
۔۔پ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا تجارتی سامان لے کے فروخت کرنے تشریف لے گئے ہین
۔۔ آپنے نصرانیوں اور یہودیوں کی شرمناک معاشرت کو دیکھ کے بہت ہی افسوس کیا تھا اور
۔۔پ انسان کی ارذل ترین حالت سے بہت ہی متاثر ہوئے تھے آپنے ملاحظہ فرمایا تھا کہ
۔۔صمت ۔ حیا ۔ راستبازی یہ تین صفتین کس بیدردی سے کچلی جا رہی ہین اور پرہیزگاری
۔۔ نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ہے یہ نظارہ آپکے لئے بہت دردناک تھا آپ کو
۔۔ونکہ خدا کی مخلوق سے دلی اُنس تھا اس لئے ایسے نظارہ جو اخلاق تمدن اور معاشرت

کے حق مین زہر ہوں آپ کو سخت صدمہ پہنچاتے تھے - غرض جب آپ انسان کی ارذل
ترین حالت کا یہ نقشہ دیکھ کے واپس پھرے اور حضرت خدیجۃ الکبری کے ساتھ اُن ہی
کی خواہش کے بموجب آپکا نکاح ہوگیا تو آپنے عزلت گزینی اختیار کی اور یہ عزلت گزینی
اگر ظاہری معنی سے لیجائے تو یہ تھی کہ آپ خلق اللہ کی نکبت اور مصیبت کو کھونے کیلئے
فکر فرمانے لگے اور آپنے وہ صورتین سوچین جو آئندہ مخلوق کی سرسبزی کے لئے نیک فال
ہوں اور بنی نوع انسان کی اُن سے پوری اصلاح متصور ہو اور اگر اس عزلت گزینی کے
رازدارانہ معنے لئے جائین تو اس سے یہ غرض تھی کہ آپ اپنی لوح قلب کو اُن ربّانی نقوش
کے لئے مہیا کر رہے تھے جو خدائے کائنات کیطرف سے روح القدس کے ذریعے سے
اس پر ہونے والے تھے اور ایسے گرامی مہمان کے لئے آپ اپنا حجرۂ قلب آراستہ
کر رہے تھے - کسی مضمون پر فکر و غور کرنے والے سمجھ سکتے ہین کہ اُنکی کیا کیفیت ہوتی ہی
اور اُنکے حواس خمسہ کس حالت مین ہو جاتے ہین نہ انھین کسیکا خیال رہتا ہے اور نہ فکر
اور نہ وہ سوائے مدعا کے جو اُنکے پیش نظر ہے کسی دوسری شئے کا تصور ذہن میں لا سکتے
ہین - ہمہ تن ایک شے کی طرف مصروفیت ہو جاتی ہے اور یہ مصروفیت ایسی ہوتی ہے
کہ اُسے اُن ہی کا دل جانتا ہے جنھوں نے غائر توجہ سے کسی مضمون کا کبھی خیال کیا ہو
انسان کی طبیعت کا یہ خاصتہ رکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنی توجہ چاروں طرف سے علیحدہ کر کے
کسی خاص طرف پھیر لیتا ہے اور اس مین ایک زمانہ گزر جاتا ہے پھر اُسکی طبیعت ایسی
عادی ہو جاتی ہے کہ دوسری طرف اس کا خیال ہی نہین رہتا اور وہ تمام عمر اسی کا ہو کے
رہجاتا ہے اور اپنے اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ سے کام لیتا ہے اور
جہانتک اُس سے خود ممکن ہوتا ہے اور جس حد تک اُس کی تائید ایک پوشیدہ قوت
کی طرف سے ہوتی ہے وہ اپنی کوششون کی کامیابی کی دھن مین لگا رہتا ہے اور جبتک
اُسے تکمیل پر نہین پہنچا لیتا اُسے ایک حد تک صبر نہین آتا - اور اخیر یہ مدعا اسکا جزو زندگی
ہو جاتا ہے اور اُسے دوسرے خیال کیطرف جانیکی ضرورت نہین رہتی اور اگر وہ چاہے بھی
تو دوسری طرف اپنی طبیعت رجوع نہین کر سکتا -

ہر شخص اس رجحان طبعی کا خود اپنی ذات پر تجربہ کرکے دیکھ سکتا ہے اگر ابتدا سے ایک
شخص اپنے کو خاصہ صحیح و تندرست ہونے پر دیوان پنے مین ڈالدے اور مجنونانہ حرکتیں کرنے
لگے تو ابتدا ءً یہ حرکتین ارادی ہونگی لیکن جون جون زمانہ گزرتا جائیگا ان مین فطرت انسانی
کی آمیزش ہوتی جائیگی اور اخیر ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پونہچے گی کہ وہ مجنونانہ حرکتیں
طبعی ہو جائیں گی اور پھر وہ اپنی پوری قوت سے بھی اُنکا دفعیہ نکر سکے گا یہ ایسی بدیہی باتیں
ہین جن کے لئے کسی قسم کے استدلال کی ضرورت نہین ہے یہ شب و روز مشاہدہ مین
آتی ہین اور جنہون نے انسانی طبیعت کے اُتار چڑھاؤ پر غور کیا ہے وہ اُسے بخوبی سمجھہ
سکتا ہے ممکن نہین کہ کوئی عاقل یا بالغ شخص ایسے صریح مشاہدون اور بدیہات سے انکار
کر سکے ۔ یہ طبیعت کی قوت کا ایک ادنی نمونہ ہے مگر جن مبارک انفاس نے اپنے قلب
کو ربانی غوامض اور فطرت کے رازون کیطرف رجوع کیا ہو اور ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری کے
لئے متوجہ ہو گئے ہون وہ قیامت تک اپنی طبیعت کو ارادہ بھی کرین انسانی ارذل ترین
حالت کی طرف رجوع نہین کر سکتے ۔ اب خیال کرنے اور انصاف سے غور کرنے کی بات
ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ برس کی عمر سے کہ اُسوقت تمام جسمانی قوتین
بہت ہی اُبھار پر ہوتی ہین ایک غار مین اسطرح عزلت گزین ہوئے کہ کسیکو یہ خبر نہ ہوئی
کہ آپ وہاں کیا کیا کرتے ہین اور کامل ۱۵ سال آپنے کیونکر گزارے تو پھر کب خیال
ہو سکتا ہے کہ ایک کام کے فکر مین پندرہ سال گزر گئے ہون پھر دوسری طرف طبیعت
کا رجحان کیونکر ممکن ہو سکتا ہے آپ مہینوں شب کو نہین سوئے ہین اور وحی نازل ہونے
سے پہلے کسی نے بھی آپکے ان پندرہ سال کے حالات سے شمّہ برابر بھی علم نہین
حاصل کیا ۔ آپ اُس غار مین بیٹھ کے ضرور فطرت کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہونگے اور
آپ اپنی روحانی قوت کو ایسا قوی بناتے ہونگے کہ تمام دنیا کی مشتملہ قوت آپکے ارادون
مین خامی پیدا کر سکے آپ ابتدا ہی سے روشنضمیر پیدا ہوئے تھے اور چونکہ روح القدس
گہوارہ ہی سے آپ کی ہمقرین رہی تھی اسلئے آپ کو اپنے عالی فرض کی انجام دہی مین
جن جن مصائب کا پیش آنا ضرور تھا پہلے سامنے آگیا ہوگا اور آپ بخوبی جانتے ہونگے

گر زمانہ کے رنگ کو بدل دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے دنیا مین عام مقولہ یہ چلا آتا ہے
کہ زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بساز" لیکن یہان بالکل اس کے خلاف کرنا تھا اور لاکھون
کروڑون آدمیون کے دلون کو اپنی مٹھی مین لینا تھا۔ اُن زبردست مذاہب سے مقابلہ
کرنا تھا جن کی قوی سلطنتیں بھی موجود تھین اور اپنے ہی ہموطنون کی آتشین طبیعت
کا بھی پورا لحاظ تھا اپنی بے سروسامانی کا بھی خیال آتا تھا اور اپنی بے بسی کا افسردہ
نظارہ آنکھون کے آگے گردش کھا رہا تھا یہ سارے ایسے زبردست خیالات تھے
جو پے در پے طبیعت مین آرہے تھے اور کامل پندرہ سال تک اُن ہی اُدھیڑ بُن مین تھی
اس کشمکش نے آخیر چالیسوین سال اطمینان کا رنگ بدلا اور طبیعت نے خاص
ایک صورت اختیار کر لی اور فیصلہ کر دیا کہ ہر سخت سے سخت مخالفت کی برداشت کرنے
کے لئے بالکل آمادہ ہون بسم اللہ کر اور قدم اُٹھا۔ گویا پندرہ سال کے بعد طبیعت نے
جو آخری زبردست رنگ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تو عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا ہے اور تو ہی
دنیا کو موجودہ کرب و بلا سے نجات دیگا اور تو ہی توحید خدا کی منادی کر کے کروڑون نفوس
کو موحد بنائے گا تو اس قابل ہے کہ خدا کا پیغام تیرے پاس آئے اور روح القدس تجھ سے
باتین کرے جب یہ تمام خیالات مضبوط ہو گئے اور طبیعت نے فیصلہ سنا دیا تو فوراً اس کا
ظہور ہوا اور روح القدس مجسم بن کے اس معصوم نبی کے سامنے آگئی اور اُس کے فطرت
کی پوری کتاب اُس کے آگے کھول کے کہا کہ پڑھ یعنے اس پر عمل کر اور دیکھ کہ ہم نے
انسان کو ایک گوشت کے ٹکڑے سے بنایا ہے اگرچہ اُسکی کچھہ ہستی نہین ہے لیکن ہم
محض اپنے فضل سے اُسے برکت دیتے ہین اور ہمنے ہی اُسے قلم کا استعمال سکھایا ہے
اور وہ اس پر بھی ناسپاس بنتا اور سرکشی کرتا ہے اس ارشاد مین بہت بڑا فطرت کا
راز مضمر ہے اور اُسے ظاہری آنکھین نہین دیکھ سکتین جب تک روح القدس کی تائید
نہو اسکے معنے یہ ہین جو ہم بیان کرتے ہین اور جہان تک ہمنے تفسیرین دیکھی ہین۔ ہم
سمجھتے ہین کہ کم مفسر اس گہرائی مین پہنچے ہین۔ حضور انور نے جب تمام دنیا کی اصلاح
کا ارادہ کیا ہوگا اور پھر اپنی بے بسی کا بحیثیت انسان ہونے کے خیال فرمایا ہوگا تو

ضرور اپنی بے بضاعتی اور کمزوری کو پیش نظر رکھکے اتنے عظیم فرض کی کامل طور پر انجام دہی
سے دل ہچکچایا ہوگا کہ مجھ جیسے ناچیز عبد سے یہ کیونکر ہو سکیگا ایسا خیال بمقتضائے
قانون قدرت آپکے دل پر ضرور آنا چاہیے تھا ادہر یہ خیال آیا اُدہر خدائے کائنات
نے روح القدس کے ذریعہ سے باتین کین اور سمجھایا کہ تو فطرت کی کتاب کو جو ہم نے تیری
آنکھوں کے آگے کھول دی ہے پڑھ اور دیکھ کہ اگرچہ ہمنے انسان کو ایک گوشت کے
ٹکڑے سے پیدا کیا ہے لیکن ہم ہی نے اُسے برکت دی ہے اور ہم ہی نے اُسے قلم کا
استعمال سکھایا ہے چونکہ یہ ساری باتین ہمارے ہی دست قدرت مین ہین کہ اپنی ناچیز مخلوق
کو اگر چاہین تو آسمان پر پہنچا دین تو مایوس نہ ہو اور ہمارے نام سے اس فطرت کی کتاب
کو پڑھ یعنے جو کام تو کرنا چاہتا ہے ہمارا نام لے کے کر پھر انسانی فطرت کی وہ کمزوری جو
بحیثیت گوشت کے ٹکڑے ہونیکے اُس مین ودیعت ہوئی ہے تیرے اہم فرائض کی انجام
دہی مین مانع نہیں آئے گی اور تو اپنی مرادوں میں کامیاب ہو جائیگا اپنے رب کا نام لیکے
پڑھ اس کے یہ معنے ہین کہ تو اپنے رب پر نظر رکھ وہ تجھے ہر کام مین مدد دیگا اور اسکی
تائید تیرے شامل حال رہے گی۔ جب قدرت کی طرف سے یہ فرمان آگیا اور طبیعت نے
قبول کر لیا تو وہ جھجک جو پہلے بحیثیت کمزور انسان ہونے کے دل مین آئی تھی بالکل جاتی
رہی اور حضور انور نے اپنے خالق کا ہاتھ اپنے ساتھ کام کرتا ہوا ملاحظہ فرماکے زمانہ کے
مقابلہ مین بہت آزادی۔ جرأت اور اولوالعزمی سے توحید کا وعظ فرمانا شروع کیا۔ اس
لکھنے سے اور فطرت انسانی کے اُتار چڑہاؤ دکھانے سے ہماری یہ غرض ہے کہ جس پاک نفس
کا جزو زندگی خلق اللہ کی تعلیم اور اصلاح بن گیا ہو جس نے ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری کے
لئے اپنے کو معروف کر دیا ہو۔ جس نے پندرہ سال مجاہدوں اور مراقبوں کے بعد اپنے کو
ایک نئی زندگی مین پایا ہو۔ جس کے جوش کی انتہا ہو گئی ہو یعنے سخت سے سخت مخالفتوں
کے بعد بھی وہ اپنے کام سے باز نہ آیا ہو اُسکی نسبت کیونکر یہ الزام صحیح ہو سکتا ہے کہ اس نے
پچاس سال کی عمر تک تو ایک حالت مین گزاری اور پھر اپنی طبیعت کو بدل دیا اور لذائذ نفسانی
کی طرف (معاذ اللہ) اس نے اپنا خیال رجوع کیا۔ یہ تو طبع انسانی کے بھی خلاف ہے

اور حاذق اطباء اسکی پوری تصدیق کرینگے کہ انسانی فطرت سے ایسا امر کس قدر مستبعد ہے - جب تک حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ زندہ رہیں آپنے کوئی دوسرا نکاح نہین کیا - اور فی الحقیقت کسی دوسرے نکاح کرنے کی ضرورت بھی داعی نہین ہوئی تھی - اگر آپ کو ضرورت ہوتی اور آپ کوئی دوسرا نکاح کرتے تو قومی تمدن کے بموجب آپ پر کوئی نکتہ چینی نہین کرسکتا تھا - نہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ معترض ہوتین - کیونکہ اُس ملک کی یہی رسم تھی کہ کئی کئی شادیان کرتے تھے اور بیبیاں بغیر حسد اور دشمنی کے ساتھ ساتھ مل کے رہتین اور باہم کسی قسم کی کوئی بات مخالفت کی نہ ہوتی تھی - ہم اپنے خیال مین چاہے یہ سمجھ جائین کہ ایسی چند عورتیں جو ایک ہی شخص کی بیبیاں ہوں کبھی باتفاق نہین رہ سکتین لیکن یہ ہمارا نرا خیال ہی خیال ہے واقعات سے اسے کوئی سروکار نہین ہے جس امر کی طبیعت اوّل روز سے عادی ہوجاتی ہے وہ خواہ مخواہ مستحسن ہی معلوم ہوتا ہے اگرچہ غیر لوگ اُس پر کچھ ہی نکتہ چینی کیوں نہ کرین - ڈاکٹر موسیو لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں اپنے چشم دید حالات عربوں اور اُنکی بیبیوں کے درج کئے ہین اور وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ مین نے ایک عرب کی کئی کئی بیبیاں دیکھیں جو باہم سگی بہنوں سے زیادہ محبت رکھتی تھین اور ایک دوسری پر جان فدا کرتی تھیں وہ کہتا ہے کہ مین نے کوئی مثال عرب مین ایسی بیبیوں کی نہین دیکھی جو باہم دشمن ہون یا ایک دوسری سے حسد کرتی ہوں ساتھ ہی وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب عورت دو تین بچّے ہونے سے کمزور ہوجاتی ہے اور گھر بار کا کام اُس سے نہیں سنبھل سکتا تو وہ خود اپنے خاوند سے درخواست کرکے دوسرا نکاح کراتی ہے اور بعض اوقات تو یہ دیکھا ہے کہ اپنے خاوند کے دوسرے نکاح کی سربراہی وہ بہت شوق سے خود ہی کرتی ہے موسیو لیبان کے اس بیان سے عرب عورتوں کی فطرت اور معاشرت خیالات اور محسوسات کا پورا علم ہوتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اُنکی فطرت ابتدا ہی سے اس امر کی عادی چلی آئی ہے کہ وہ کئی کئی مل کے ایک شخص کی بیبیاں بنین اور خوش ہوں اسیطرح اگر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی حیات مین دوسرا نکاح کرلیتے تو نہ احسان فراموشی ہوتی اور نہ خدیجۃ الکبریٰ بُرا مانتین - مگر نہین آپ اپنے حسن عظیم

فرض کی انجام دہی فرمارہے تھے اُس مین دنیا کی باتون کا خیال آنا ایک مستبعد امر تھا اور فطرت
ہرگز ایسے فعل کو جائز نہین کر سکتی تھی یہ محض تہمتین اور الزام ہین کہ آپنے اپنی بی بی سے عہد
و پیمان کر لیا تھا اور چونکہ اپنی بی بی کی وجہ سے آپ فارغ البال ہو گئے تھے اور آپ کو
گونا ثروت حاصل ہو گئی تھی اس لئے آپ دوسرا نکاح کرتے ہوئے رُکتے تھے ان مین سے
ایک بات بھی نہ تھی۔ ابتدا سے ایسے معاملات کی طرف توجہ کرنے کا خیال ہی آپ کو نہ تھا
اور اصل یہ ہے کہ آپ ایسے خیال کرنیکے عادی بھی نہ تھے۔

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح
کی اور ذرا تفصیل کے ساتھ کیفیت بیان کیجائے تاکہ اصلی واقعہ سمجھ مین آجائے کیونکہ مین نے
یہ التزام کیا ہے کہ ہر امّ المؤمنین کا مختصر سا تذکرہ کرون اور بتاؤن کہ نکاح کی اصلیت کیا تھی
اور کیونکر آپنے نکاح کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ خویلد کی صاحبزادی تھین اور قریشی خواتین
مین اپنی دولت۔ ثروت۔ جمال اور علم و فضل مین بڑی ناموری تھیں۔ یہ اکثر تجارت کیا کرتی
تھین اور اسی تجارت کیوجہ سے آپ کو ترقی بھی ہوئی تھی۔ دستور یہ تھا کہ عربون کو مال دیکے
مختلف بلاد میں بھیجا کرتی تھین اور ان سے نصف پر معاملہ ٹھیر جاتا تھا کہ جو کچھ نفع ہو
نصف فروخت کرنے والے کا اور نصف بی بی خدیجہ کا۔ اتفاق سے حضرت ابو طالب کی
تجارت مین ٹوٹا آیا اور کثیر الاولادی کی وجہ سے اپنے کنبہ کی پرورش کے متحمل نہو سکے
اس لئے حضور انور سے بلا کے کہا کہ میری تو یہ کیفیت ہے کہ جو تم دیکھ رہے ہو مین تمھین صلاح
دیتا ہون کہ تم بی بی خدیجہ کے پاس جاؤ اور ان سے مال کی درخواست کرو وہ تمہاری
دیانت راستبازی اور ہوشیاری سے قطعی تمکو مال دیدیگی تم اُسی شرکت مضاربہ پر
مال لے لینا اور نصف نفع بی بی موصوف کو دیدینا اور نصف تمہارے ہاتھ لگ جائیگا۔
اس صورت سے کچھ فلاح ہو جائیگی اور مجھ پر سے بھی کنبہ کا بار ہلکا ہوگا۔ حضور انور نے
جواب دیا کہ مین پیشقدمی نہیں کرنا چاہتا نہ جاکے درخواست کرنا مناسب سمجھتا ہون

حضرت ابو طالب نے کہا اگر تم اسی طرح قال کرو گے اور تساہل کرو گے تو اور لوگ لے
اُڑینگے آپنے سوائے خاموشی کے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اتفاق سے یہ خبر بی بی خدیجہ کو
پہنچ گئی۔ بی بی موصوفہ نے اپنے ایک خاص خادم کو آپ کی خدمت مین بھیجا اور کہلا بھیجا
میں نے سنا ہے کہ تجھے تجارت کی رغبت ہے اگر تو راضی ہو اور میرا مال تجارت لے جائے
تو مین تجھے دوسرون سے دُگنا حصہ دونگی کیونکہ تیری راستبازی اور دیانت داری کی
مین نے بہت شہرت سُنی ہے۔ یہ سن کے حضور انور نے اپنے چچا ابو طالب سے بی بی خدیجہ
کے پیغام کی کیفیت بیان کی۔ ابو طالب سنتے ہی خوش ہو گئے اور بیساختہ کہہ اُٹھے۔
هذا الرزق ساقه الله اليك یعنے یہ وہ رزق ہے جو خدائے تعالی نے تجھے مرحمت فرمایا
ہے اخیر حضرت ابو طالب کی مرضی کے مطابق آپنے اپنی رضامندی بی بی خدیجہ سے کہلا بھیجی
اور سفر کا تہیہ کیا۔ بی بی خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کی خدمت مین دیا یا بعض دوسری
روایت کے بموجب اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکیم کو آپ کے ساتھ کیا اور آپ مال
تجارت لیکے حدود مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ایک کاروان کے ہمراہ نسطور یا قسطور راہب
کے صومعہ کے پاس فروکش ہوئے بہت سی روایتین ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیون
سے آپنے کیونکر گفتگو کی اور بتون سے کسقدر آپنے حقارت ظاہر فرمائی مگر ان روایتون کا یہان
بیان کرنا ضروری نہین ہے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے کہ آپنے بڑی تندہی سے بی بی
خدیجہ کے مال کو فروخت کیا اور کثیر نفع حاصل کر کے آپ واپس مکہ تشریف لائے اور
کوڑی کوڑی حساب سمجھا دیا۔ بی بی خدیجہ حضور انور کی یہ ہوشیاری اور دیانت داری
دیکھ کے دنگ رہ گئیں اور آپ کی اس بے نظیر کامیابی اور ساتھ ہی عجیب و غریب راستبازی
کا اثر آپ کے دل پر بہت ہوا۔ ادہر اپنے غلام یا رشتہ دار سے آپ کی نیکبختی۔ محنت اور
روشنضمیری کا حال سُن کے بیخود ہو گئین اور اُنھیں یقین ہو گیا کہ اگر کوئی دیانت دار
سرپرست مل سکتا ہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہتر ملنا ممکن نہین۔ بڑے بڑے
عرب رئیس بی بی خدیجہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے مگر آپ اپنی شوہری مین
کسیکو منظور نکرتی تھیں۔ اخیر آپنے اپنے دل مین فیصلہ کر لیا کہ اگر نکاح کرونگی تو محمد ہی سے

کردیتی۔ اس مستقل ارادہ کے بعد آپنے ایک رازدار خاتون سے جس کا نام نفیسہ تھا اپنا دلی منشا ظاہر کیا۔ نفیسہ جسقدر خوبصورت تھی اسیقدر عقلمند بھی تھی اُس نے بی بی خدیجہ کے اس انتخاب کو پسند کیا اور کہا کہ مین محمد کے پاس جا کے اُس کا دل لیتی ہون اور اسکی مرضی تلاش کرتی ہون چنانچہ وہ عورت خدمت اقدس مین حاضر ہوئی اور معقول تہید کے بعد اُس نے یہ ساری کیفیت بیان کی اور بی بی خدیجہ کی خواہش کا اظہار کیا آپ راضی ہوگئے اُس نے بی بی خدیجہ کو یہ خوش خبری سنادی کہ محمدؐ تجھسے نکاح کرنے پر راضی ہین۔ بی بی خدیجہ یہ سُن کے بہت خوش ہوئین اور ایک دن مقرر کرکے حضور انور کو ایک مکان مین بلایا آپکے ساتھ حضرت ابوطالب اور چند اور لوگ تھے اور بی بی خدیجہ کی طرف سے اُنکے چچا عمرو بن اسد اور ایک رشتہ دار ورقہ ابن نوفل اُس مکان مین آئے۔ حضرت ابوطالب نے پہلے خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ تھا " خدا کا شکر ہے کہ ہمین ابراہیم اور اسمعیل کا فرزند بنایا اور ہمین اپنے گھر اور حرم کا محافظ کیا اور اُس گھر کو جو مطاف اور خلق اسم کا قبلہ ہے ہمین سونپ دیا۔ امابعد میرا بھتیجہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب جو ایسا نوجوان صالح ہے کہ کوئی قریش نوجوان اُسے نہین پہنچتا اگرچہ اُس کے پاس مال کم ہے مگر اسکا خیال نکرنا چاہئے کیونکہ مال شرافت کے آگے کوئی چیز نہین ہے اور وہ اشرف بزرگان قوم مین سے ہے اور محمدؐ کون ہے جس کا رشتہ میرے ساتھ ہے اور اب وہ خدیجہ کی خواستگاری بیس مایہ شتر مہر پر جو میری ملک ہے (کرتا ہے) اور اُس سے مہر معجل اور موجل دونوں کی تصدیق ہوتی ہے کرتا ہے خدا کی قسم محمدؐ کو ایک امر عظیم اور بزرگ مرتبہ درپیش ہے یہ کہکے حضرت ابوطالب خاموش ہوئے اور پھر ورقہ نے اپنا خطبہ شروع کیا اور خدا کی حمد و ستایش کے بعد وہ یہ کہنے لگا کہ اب مین خدیجہ کو چارسو مثقال طلائی کے مہر پر محمد کی زوجیت مین دیتا ہون حضرت ابوطالب نے کہا مین چاہتا ہوں کہ خدیجہ کا چچا عمرو بن اسد بھی تیرے ساتھ خطبہ مین شریک ہو جائے چنانچہ ورقہ نے عمرو بن اسد کو اپنے ساتھ شریک کرلیا اور اس صورت سے گویا آپ کا نکاح ہوگیا۔ اب یہاں کسقدر روایتوں میں اختلاف ہے حضرت ابوطالب کے خطبہ سے تو بیس مایہ شتر پائے جاتے ہین اور ورقہ ابن نوفل کے

خطبہ سے چار سو مثقال طلائی کا ثبوت ہوتا ہے بہرحال کچھ ہو اس کے بین بین [illegible]
بندھا۔ اس وقت بی بی خدیجہ کے والد زندہ نہ تھے اس لئے چچا نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔
یہ ہین مختصر حالات حضور انور کے پہلے نکاح کے جب نکاح ہوا ہے تو آپ کی عمر
۲۵ سال کی تھی اور حضرت بی بی خدیجہ کی ۴۰ سال کی۔ اس نکاح کی فطرت پر غور کرنیسے
معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نکاح کی بابت اشارہ بھی نکیا تھا مگر جب اُدہر سے درخواست
ہوئی تو آپنے منظور کرلیا اور اس منظور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو ایک بڑے فرض کی
انجام دہی کرنی تھی اور وہ بغیر فارغ بالی اور معاش سے بے نیاز ہوئے پورا نہین ہو
سکتا تھا چنانچہ آپنے نکاح کرلیا اور اب آپ کو گھنٹوں بلکہ مہینوں گزرگئے صرف اس
کام کی انجام دہی کے فکر میں جسکے پورا کرنے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اور آپ
کو خاص جس غرض سے عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا تھا۔ اس نکاح کی اصلی غایت
زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ یعنے آپنے نکاح تو کرلیا مگر کیوں کیا اور اُسکی غایت کیا
تھی۔ اس لئے کیا کہ جو کام آپ کرنا چاہتے تھے وہ اطمینان سے ہوگا اور چونکہ اُس وقت
کوئی بہتر ذریعہ اطمینان قلب کے ساتھ خدائے کائنات کے آگے گھنٹوں بلکہ مہینوں
سربسجود ہونے کا نہین ملسکتا تھا اس لئے آپ اس نکاح پر راضی ہوئے دیکھلو اس
نکاح مین وہی دہن لگی رہی اور کسی دوسری طرف مطلق خیال نہین کیا کیونکہ نکاح ہوتے
ہی آپ نے عزلت گزینی اختیار کی اور کامل پندرہ سال اسی تنہائی مین گزار دئے۔
اے سرور کائنات یہ تیری ہی بزرگی ہے کہ تو ظاہرا تمام دنیاوی امور مین بحیثیت انسان
ہونے کے مشغول دکھائی دیتا ہے مگر پھر سب سے الگ ہے اور تو اپنے مبعوث ہونے
کی غایت دنیاوی اسباب کے ذریعہ سے پوری کرتا ہے عالم کی رحمت ہونا تجھی
کو شایاں ہے۔

اے گہر تاج فرستادگاں	تاج دِہ گوہر آزادگاں
مہر شد ایں نامہ بعنوان تو	ختم شد ایں خطبہ بدوران تو

آپ کے ساتھ غار مین کبھی کبھی بی بی خدیجہ بھی جا کے بیٹھا کرتیں اور خدائے واحد کی

عبادت کیا کرتیں۔ آپنے باوجود ان عظیم مشاغل کے اپنی بی بی کے ساتھ جس الفت اور محبت کا برتاؤ کیا وہ مشہور زمانہ ہے روحانی فضائل کی تکمیل کے ساتھ آپ دنیاوی فرائض کی نگہداشت کرتے جاتے تھے۔ آپکی چند اولادین ان بی بی سے ہوئیں اور اُنکے نام یہ ہیں زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ اور فاطمہ زہرا۔ دو تین لڑکے بھی ہوئے لیکن ان سب نے صغیر سنی میں وفات پائی۔

حضرت سودا رضی اللہ عنہا

آپ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمر سے ہوا تھا اور اُس سے ایک لڑکا عبدالرحمن پیدا ہوا۔ حضرت سودا اور ان کا لڑکا عبدالرحمن دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب آپ اور آپ کا خاوند اور آپ کا بیٹا مسلمان ہوگیا تو مشرکین عرب نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا اور اخیر یہانتک نوبت پونہچی کہ آپ حبش چلی گئین۔ آپ کا خاوند صرف اس جرم مین کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا قتل کر دیا گیا تھا۔ جب بی بی سودا حبش سے واپس آئین تو انکی حالت بہت ہی خراب تھی ان پر بڑے بڑے مظالم ہو چکے تھے اور اب انھین کوئی پناہ دینے والا بھی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی عمر کتنی تھی۔ لیکن اندازہ اور ٹھیک اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر مین آنحضرت سے بڑی تھیں حضور انور کی عمر جب بی بی سودا سے نکاح کیا ہے پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرور کائنات ۲۳ھ ہجری مین بی بی سودا کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی نسبت بہت سی مختلف روایتین مشہور ہین اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے۔ مگر ہم اسے بالکل روشنی مین لانا چاہتے ہین اور انشاءاللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کرینگے اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودا سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اعلیٰ درجہ کی لڑکیون سے

بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے۔ پچاس سال کی آپ کی عمر ہو چکی تھی اور بی بی سودا کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے دو ایک برس کچھ بڑی تھی۔ اگر معاذ اللہ یہ نکاح لذائذ نفسانیہ کے لئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نرا تعصب ہے۔ نہ آپ نے دولت دیکھ کے یہ نکاح کیا تھا کیونکہ بی بی سودا آپ مفلس اور ستم رسیدہ تھیں۔ نکاح کرنے کی کوئی نہ کوئی غایت ضرور ہوگی اور کوشش کرنے سے اسکا پتہ لگ جائیگا۔

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا حضرت انس کی روایت ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ دس برس میں مین نے رسول مقبول کی اتنی خدمت نہین کی جتنی آپ نے میری کی آپ کی عادت مین داخل تھا کہ ہر شخص کے کام مین لگ جانا اور غربا اور مساکین کی حتی الامکان سرپرستی کرنا آپنے اپنی اس رحیم فطرت سے بی بی سودا پر نظر کی اور فرمایا کہ اس نے عورت ہوکے میرے لئے کتنی کتنی سختیاں سہیں۔ گھر سے بے گھر ہوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جو کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی اس کا خاوند صرف تبدل اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا اور اب یہ محض بے سروسامان اور پریشان ہوکے میرے پاس آئی ہے ایسی حالت مین بھی میں اسے اپنا ہاتھ نہ دوں تو نبوت کے عالی منشار کے خلاف ہے۔ یہ خیال تھا جو حضور انور کے مبارک دل مین پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اس لئے کہ سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا معاوضہ ہوجائیگا بخوشی نکاح کر لیا۔ اور خاتم النبیین جیسے رحم مجسم کے لئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی۔ آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا کہ آپ ایسی بے بس۔ ناچار اور مصیبت زدہ ناتون کی سرپرستی فرمائیں جس نے محض خلوص سے اپنی گزشتہ بداعمالیون اور بت پرستی سے تائب ہو کے دین خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی اور پھر محض اسلام کے لئے اُس نے تکلیفین اُٹھائین جلاوطن ہوئی اور عورت ہوکے اسلام سے اُس کا قدم نہین ڈگمگایا۔ عاقبت میں تو جو کچھ اس کا معاوضہ ملتا وہ ملتا ہی لیکن زندگی مین بھی ایسی شجاع اور نیک دل خاتون کو ضرور صلہ

ملنا چاہیئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہوتا کہ اُس سے قیمتی صلہ دنیا مین اور ممکن نہ تھا یعنے وہ
خاتم النبیین کی بی بی بنتی اور ام المؤمنین کا معزز لقب پاتی۔ اس سے بہتر کوئی صلہ نہیں
دیسکتے تھے کیونکہ جو کچھ بے نظیر مردانگی اسلام پر قائم رہنے کی اس خاتون سنے دکھائی تھی
وہ عجیب و غریب بھی ہے اور اسی مرتبہ کے صلہ کی مستحق بناتی ہے جو حضور انور کی طرف
سے اُسے عطا ہوا

اگر حضور انور اپنی زوجیت مین بی بی سودا کو قبول نفرماتے تو انکی عمر اور بے سروسامانی
اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہین رکھتا اس لئے کہ اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا۔
مشرکین قریش کے پے درپے حملے ہو رہے تھے اور مسلمان برابر ستائے جارہے تھے ابھی
مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہ ہوا تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی
مسلمان کی ہوئی تھی یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمایش کا تھا اور اسی وجہ سے خود نبی کریم
کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی مگر اس
حالت مین بھی اور اس زمانہ رستخیز مین بھی آپ نے بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا
کہ سودا جیسی مجروح القلب بے بس اور ثابت قدم خاتون کو اپنی زوجیت مین لیں تاکہ اسکی
پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں مین ایسی بے پناہ مستورات کی معاونت کرنے
کی ایک زبردست نظیر قائم ہو جائے۔ آپنے بی بی سودا سے نکاح کرکے نفس نکاح کی
ایک غایت بتادی اور ظاہر فرمادیا کہ نکاح کی اصلی غرض مستورات کی سرپرستی ہے اور
سب سے بڑی بات جو اس نکاح سے پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام مین عورتون کی
حمایت کرنے کی روح پھونک دیجائے اور وہ مثل دوسری قومون کے عورتوں کو داشتے
محض نہ سمجھیں۔ ہم پہلے بیان کرچکے ہین کہ عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کی کل قومون میں عورت
مثل اثاث البیت کے سمجھی جاتی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام سے کبھی عورتون
کے حقوق کی نگہداشت نہین کی اور نہ اُنکی خدمات کا کبھی اُنکو صلہ دیا گیا۔ انسانی تمدن مین
اُنکی کوئی وقعت نہین تھی اور اُن سے مثل چوپایوں کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اب وہ تاریک
زمانہ گزر گیا تھا اور عورتوں کی تعظیم و تکریم ہونے لگی تھی۔ بی بی سودا نہ تو امیرزادی تھین

نہ کچھ ایسی عالی خاندان تھین اس پر بھی اُنھیں وہ مرتبہ حاصل ہو گیا تھا کہ وہ بڑے بڑے
قریش سرداروں کی اور اخیر مین بڑے بڑے قہار سلاطین کی ماں کہلائیں کیا اس سے زیادہ
کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عزت دی؟ اور آجتک کسی ملک میں بھی عورتوں کو اسقدر
آسمان پر چڑھایا گیا؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں لیکن مختلف
قوموں کی مذہبی کتابیں اور تواریخ اس کا صاف جواب دیتی ہین۔

سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بی بی سودا سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور اُسے
کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودا کی نسبت بہت سی جھوٹی روایتین مشہور ہیں اور وہ
ایسی لغو ہین کہ عقل کبھیُ انھیں تسلیم نہیں کر سکتی۔ پہلی روایت تو ایک یہ مشہور ہے کہ جب اُنکے
پہلے خاوند مریض ہوتے تو اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور انور نے میری گردن پر پیر
رکھدیا آنکھ کھلی تو اپنے مریض خاوند سے یہ خواب بیان کیا اُس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد
تو دوسرا نکاح کریگی۔ یہ خواب اور اسکی تعبیر عجیب وغریب ہے عرب میں عام دستور تھا کہ
بیوہ عورت فوراً نکاح کر لیتی تھی اور ایک دن بھی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اور
چونکہ رسم و رواج آگے چل کے قانون بن جاتا ہے اس لئے یہ ایک قانون ہو گیا تھا جسے بعد
ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا۔ بی بی سودا کے شوہر کا یہ تعبیر دینا بھی عبث تھا جب کہ
اُسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پہ پیر رکھنے کی تعبیر بھی ثانی نکاح
کیطرح سمجھ مین نہین آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اسکی تعبیر اور بی بی
سودا کے خاوند کا مریض ہو کے مرجانا ہی غلط ہے جب کہ وہ بالکل صحت کی حالت مین دشمنان
اسلام کے مقابلہ مین شہید ہوا تھا۔ دوسرا سب سے زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ جب
بی بی سودا ضعیف ہوگئیں تو آنحضرت نے اُنھیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سن کے یا یہ خیال
کر کے کہ پیغمبر خدا طلاق دینی چاہتے ہین سخت پریشان ہوئین اور اُنھوں نے ایک دن رسول
کریم سے کہا کہ مین اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں اے نبی اللہ تم مجھے
طلاق نہ دو۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرمایا اور اُنھیں طلاق نہ دی بعض روایات
مین یہ ہے کہ حضرت بی بی سودا کے دل مین یہ خیال گزرا تھا کہ مبادا آنحضرت بسبب ضعیفی

کے مجھے طلاق دیدیں آپنے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خدمت میں اس صورت
سے کیا تھا۔ یہ ساری باتین محض لغو اور بے بنیاد ہین جس نبی نے محض سرپرستی اور رحمدلی
فرماکے آپ کو اُس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ جوانی کی عمر کاٹ چکی تھیں پہر کب
سمجھہ مین آسکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد آپ نے آنکھیں پھیر لی ہوں۔ اور ایسی بے پناہ
بی بی کو طلاق دیکے نکالدینے کا ارادہ کیا ہو۔ جس شخص کی ایسی طبیعت ہو ہرگز اُس کی
نصایح کا اثر نہین ہوسکتا اور ممکن نہین کہ کبھی کسی کے دل پر اُسکی باتیں کوئی نیک خیال
پیدا کرسکیں۔ اس قسم کی روایتین اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہین مگر اُنھین قرآن
کے مقابلہ مین صحیح سمجھنا اور اُن ہی پر تکیہ کرکے بیٹھہ رہنا تحقیق اور انصاف کے خلاف ہے۔
اسلامی کتب مین ہزارہا اس قسم کی روایتین موجود ہین کہ اگر اُن کا انتخاب کیا جائے اور
صرف اُن ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی اُن سے اُس اسلام کا مفہوم نہین ہوتا کہ جو قرآن
پیش کرتا ہے یا اسلام کی بے نظیر کامیابی جسکی شہادت دیتی ہے ایک عیسائی مصنف
اپنے دعوے مین روضۃ الاحباب کو پیش کرتا ہے دوسرا الواقدی کو تیسرا ابوالفدا کو اور
چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اسلام کی تاریخین ہین اور یہ بھی صحیح
ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہین لیکن جمہور کا اتفاق ان کتابوں کے مصنفین کی معصومیت
پر نہین ہے اور نہ خدا کی طرف سے انھین کوئی سند صداقت کی ملگئی ہے نہ ان کتابون کو
اسلام سے کچھہ تعلق ہے کیونکہ یہ کتابین اسلام کے بعد کی تصنیف کی ہوئی ہین۔ ان مین
تحریف کا ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو۔ جب قرآن مجید
موجود ہے پھر ہم اُسی سے کیوں نہ تحقیق کرین اور وجہ کیا کہ ہم اپنا دار و مدار جھوٹی روایات پر
کرلین اسلام پر کیا منحصر ہے دنیا مین کوئی مذہب ایسا نہین ہے جس کا تکیہ اُسکے معتقد
مصنفوں کی رائے پر ہو۔ سر ولیم میور نے جہاں اسلام پر اور عنایتین کی ہین وہاں آپ
بھی زور دیتے ہیں کہ الواقدی کو جسے کل مسلمان مصنف کاذب کہہ چکے ہین صحیح مانا جائے
اور وہ بڑے فخر سے کہتے ہین کہ مین نے بہت سی روایتین اسی سے منتخب کی ہین۔ خیر یہ
بھی ذاتی رائے ہے اور اُنھین اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے خواہ کچھہ ہی کیون نہ رکھین

مگر اسلام مین نہ ان باتوں کی کچھہ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات مسلمانوں کے
لئے حجت ہو سکتے ہین۔

ہمین بی بی سودا کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ رو
کیا ہے اور اسکی حقیقت کیونکر ہے مسلمانوں کی صحیح کتابوں مین بھی اس روایت کا ذکر ہے
لیکن یہ بات سمجھہ مین نہین آتی کہ اس سے حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے حضرت عائ
رضی اللہ عنہا کو اپنی باری دینے کا خیال آنا اور اُس کی درخواست کرنا یہ حضرت بی بی کی ضعی
پر دال ہو سکتا ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے کبھی اس قسم کا اشار
کیا یا کسی دوسرے شخص سے کہا کہ مین طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سودا اگرچہ اسلا
خواتین کی ایک عمدہ نظیر تھین اور آپ بہت پکی مسلمان تھین پھر بھی آپ مین اُس موروثی خ
کا اثر موجود تھا جو نسلاً بعد نسلاً آپ مین چلا آتا تھا اور وہ خون وہی عربی صفت کا خون تھا
جس مین بڑھیا بیبیوں کو بلا وجہ چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا ملا ہوا تھا - چونکہ آپ ک
ام المؤمنین کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ محسوس کر چکی تھین اس لئے آپ
دل مین یکایک یہ خوف گزرا کہین پیغمبر خدا مجھے طلاق نہ دیدین اور یہ عزت جو مجھے حاصل ہو
ہے نہ جاتی رہے - اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت مین یہ عرض کر دیا
تو کچھہ بعید نہیں ہے - انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب ادنیٰ درجہ سے یکایک اُسے
کوئی عزت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سخت پریشانی اور پراگندگی کے بعد کوئی اطمینان
نعمت حاصل کر لیتا ہے تو اُسے معمولی طور پر یہ خیال ضرور آیا کرتے ہین کہین پھر وہی تک
نہ ہو جائے اور ایسی صورت مین کہ اس عزت پر پہنچنے کی اُسے لیاقت نہیں ہوتی اور اتفاق
اُسے عالی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل مین سہما کرتا ہے حضرت بی بی س
ابتدا مین ایک مصیبت زدہ خاتون تھین اور آپنے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی بڑی سخ
اور پریشانیان اُٹھائی تھین اور ان عجیب رسوم کا اثر آپکے دل و دماغ مین موجود تھا جو
برس سے آپ کی قوم مین چلی آ رہی تھین اور چونکہ آپ ضعیف بہت ہو گئی تھین اور اس ضعی
کا اثر آپکے خیالات پر بخوبی پڑنے لگا تھا آپنے یکایک یہ تصور کیا اور آپ کو ایک خوف

معلوم ہوا اور آپنے اپنا دلی اظہار حضور انور کی خدمت مین کر دیا - اب سمجھنے کی بات یہ ہے
کہ کسی صحیح روایت سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ آپ نے بی بی سودہ کی باتون کا کیا جواب دیا اور
یا آپنے اُنکی اس پریشانی مین کچھ ڈھارس بندھوائی یا نہین اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودا
کے پاس گئے یا نہین - یا اخیر دم تک اُنکی صورت نہین دیکھی - یہ ساری باتین بہت ہی طلب
ہین اور ان پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہین نکلتا باری سونپنے اور پھر اُس باری کی درخواست
قبول کرنے کے یہ معنے ہین کہ آپنے اُن سے زن وشوئی کا تعلق قطع کر دیا تھا اور اخیر تک
آپنے بی بی سودہ کی صورت نہین دیکھی تھی حالانکہ رسول خدا کے اخلاق سے یہ امر بہت ہی
بعید ہے - جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی کروڑون بندگان خدا
صرف آپ کے مبارک نام پر جان دینے کو موجود ہون اور آپ کا نام اُنکے کلیجے ہلا دینے کے
لئے عجیب اثر رکھے اُسکی نسبت ایسے مہمل خیالات پکانے سخت بے انصافی ہے یہاں
سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس روایت کو بہمہ وجوہ بھی صحیح مان لیا جائے پھر بھی
رسول مقبول پر کوئی الزام نہین عائد ہوتا - کیونکہ درخواست کی بی بی سودا نے اپنے
ذوقی خیالات کے مطابق محض بڑھاپے اور کمزوردل ہونے کی وجہ سے ازخود بی بی
سودا کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا اور اُنھوں نے معمولی طور پر اُس کا دفعیہ حضور انور
سے ذکر کرکے کر دیا اور ساتھ ہی   باری سے دست بردار ہوگئے یہ معنی
ہین کہ میری عمر بڑھاپے کی آگئی ہے مین نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے نکاح نہیں کیا
تھا بلکہ غرض یہ تھی کہ مین حضور انور کی سرپرستی مین آجاؤن اور بس باری دینے کے معنی
بھی ہین کیونکہ بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا یہی مطلب ہے جو بیان
ہوا ایک پہلو تو یہ تھا جو ہمنے بیان کیا اور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جسپر ہم بحث
کرتے ہین اور ہم اس قسم کی جتنی روایتیں ہین خواہ وہ صحیحین مین ہون یا قرآن مجید مین
اور تاریخ مین ہون یا تفسیرون مین سب کے ایک ہی معنی لیتے ہین اور کل روایتون کا ایک
ہی پہلو ہے - مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن مین رسول کریم کو ازواج کے معاملہ مین خطاب
کیا ہے اصل مین اُس خطاب کے اصلی مخاطب مسلمان ہین - عورتون کا معاملہ چونکہ

زیادہ پیچیدہ تھا اور بہت ہی خطرناک صورت پکڑ گیا تھا اس لئے اُس کا زیادہ سمجھانا مقصود
تھا اور سمجھانے کا عمدہ پیرایہ یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنالیا جائے جب نبی سے خطاب
کیا جائیگا تو مسلمانوں پر اس کا بہت اثر پڑے گا اور وہ نہایت کوشش سے اس پر عمل
کرینگے اسیطرح جتنی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہین اُن مین بھی دوراندیش پیشوایان اسلام
نے بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مؤمنین کو تنبیہ
ہو۔ مثلاً بی بی سوداہی کے معاملہ سے ایک زبردست تنبیہ مسلمانوں کو نکلتی ہے اور وہ
یہ ہے کہ اگر ایک بی بی بڑھیا ہو جائے اور تمھاری اور جوان بیبیان موجود ہوں یا تم نکاح
کرو تو اُس بڑھیا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینی نہین چاہئے اور باہم اسکا معاملہ
طے ہو جانا لازم ہے جیسا خداوند تعالی نے قرآن مجید مین فرمایا ہے وان امراۃ خافت من
بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر
(سورۃ نسار) یعنے اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو
ان دونوں پر کچھ گناہ نہین ہے کہ وہ آپس مین صلح کرلین اور صلح بہتر ہے اس آیت کے
شان نزول مین اختلاف ہے بعض راوی تو یہ کہتے ہین کہ یہ آیت بی بی سودا کیلئے نازل
ہوئی تھی جب اُنکے دل مین یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسولخدا مجھے طلاق نہ دیدین اور بعض راویوں کا
یہ قول ہے کہ اس آیت مین عام حکم ہے اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لئے نہین ہوا
تھا بہرحال کچھ ہی کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ مفارقت کسی صورت
سے جائز نہیں ہے اور باہم صلح ہو جانی بہتر ہے۔ اب عورت کے دل مین اپنے خاوند کی
طرف سے خوف پیدا ہونا بے بنیاد بھی ہو سکتا ہے اور اسکی معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے
ممکن ہے کہ خاوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے چند روز تک بی بی سے اپنی معہودہ عادت
کے مطابق برتاؤ نکرے اور بی بی کو شبہ ہو کہ یہ مجھسے ناراض ہے اور مجھے چھوڑنا چاہتا ہی
ایسی حالت مین خیالات کی صفائی ضرور ہو جانی چاہئے اور یہی حکم خدائے تعالی کا ہے۔ یا
شوہر کو اپنی بی بی کی کوئی بات بُری لگی ہو اور وہ کسی وجہ سے نہ کہہ سکتا ہو گر کشیدہ خاطر
رہنے لگے اور عورت کو اپنی خطا کا علم نہ ہو اور وہ دل مین مفارقت کا اندیشہ کرنے لگے تو

اس حالت میں بھی صفائی ہوجانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکلجائے۔

غرض حضرت بی بی سودا کا ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر یہ طوفان بے تمیزی برپا ہورہا ہے اور بلاوجہ اُسے رنگ چڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے جو روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ انکے دل میں ازخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت بسبب ضعیفی کے مبادا مجھے طلاق دیدیں اور اُنھوں نے اپنے بے بنیاد شبہ کو آنحضرت سے عرض کرکے رفع کرلیا۔ بس بات اتنی ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے۔

بی بی سودا اگرچہ خاتم النبیین کی بی بی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی بھی شان پائی جاتی تھی اور اُن ربّانی صفات سے مملو تھیں جو خاص نبیوں کو فطرت کی طرف سے عطا ہوتی ہیں آپ میں علاوہ موروثی خون ہونیکے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روز ازل سے انھیں عطا ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آپ کے دل میں وہی خیال آیا جو اس عمر والی بی بی کو آسکتا تھا بڑی حکمت جو آپکے اس خیال میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آپنے اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کرکے اس بات کا نقشہ کھینچ دیا کہ اس زمانہ میں عورتوں سے کیسا شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا اور بیبیاں شل جوتی کے تھیں کہ پُرانی ہوئی اور اُتار کے پھینکدی۔ یہی راز تھا جو اس روایت میں مضمر ہے اور جس کا بڑی وقت سے کھوج لگا گیا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس روایت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر ہماری رائے جہانتک ہمیں تحقیق ہوا ہے یہ روایت سراسر بناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز چسپاں نہیں ہوتی یہ روایت منجملہ اُن لاکھوں غلط روایات کے ہے جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہونے پر تراشی ہیں اور کسی اعلیٰ درجہ کے مورخ یا محدث کو واقعات یا احادیث کی تدوین کرتے وقت اس کا خیال نہ رہا ہو اس لئے کہ کسی محدث کسی مفسر کسی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ فلاں محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم تھا جب اسماء الرجال بنا ہے اور کھری کھوٹی حدیثیں پرکھنے میں آئی ہیں ممکن اور قرین قیاس ہے کہ لاکھوں جھوٹی سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس بیس پچاس ایسی بھی انتخاب ہوگئی ہوں جنھیں سچا سمجھ لیا ہو اور وہ اخیر میں اُن صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اس وقت ہماری ہاتھوں میں ہیں۔ ہمارے اس رائے سے

کسیکو بھی انکار نہیں ہوسکتا اس لئے کہ سوائے رسول کریم کے ہم کسیکی معصومیت کے قائل نہیں ہیں۔ اسکی بابت ہم آئندہ کہیں مفصل بحث کرینگے اور اب بی بی سودا کے حالات کو یہ لکھ کے ختم کرتے ہیں کہ اول تو یہ روایت ہی صریح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ہماری اوپر والی توضیح اُسکے لئے کافی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اُس خاتونِ اعظم کی نسبت بہت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں نہ صرف عیسائیوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں کے ایک فریق کی جانب سے بھی بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں۔ ہم ان اعتراضوں کی اصلیت پر غور کرینگے اور دیکھیں گے کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی اصلیت کیا ہے۔

مختلف روایتوں کے طوفان بے تمیزی نے غضب ڈھایا ہے اور جب ایک محقق شخص اُس ڈھیر میں سے سچی روائتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اُسے سخت دقتیں پڑتی ہیں اور وہ پریشان ہو کے کبھی سنہ نوچتا ہے اور کبھی گریبان پھاڑتا ہے اور پھر غور کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ بڑی کوشش اور وقت کے بعد ہم نے کچھ واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان کردے گا۔ حضرت صدیقہ حضرت ابو بکر صدیق کی صاحبزادی تھیں اور آپ کی ۷ سال کی عمر تھی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح ہوا تھا اور تین برس کے بعد آپ وداع ہوئی ہیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض دریدہ دہن عیسائیوں نے بہت بڑی زباندرازی کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسول کریم کو یاد کیا ہے مگر ہم نہ اُن الفاظ کو نقل کرینگے اور نہ اُنکا ترکی بترکی جواب دینگے بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شائستگی کا ہمنے اختیار کر لیا ہے اُس سے ہم تجاوز نہیں کرینگے اور انھیں مہذب الفاظ میں کل جوابات آجائیں گے۔

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس چھوٹی سی عمر کی بچّی سے نکاح کرے۔ اس اعتراض کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خاوند یا بی بی کی مقرر کی ہوئی نہیں ہوتی چونکہ یہ دنیا کے معاملات ہیں اس لئے ملکی رسوم کے موافق ان پر کار بند ہونا پڑتا ہے۔ اگر ایک شخص کا نکاح اپنی عمر سے بہت کم کی لڑکی سے ہوا تو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں

کو بدنیتی سے نکاح ہوا۔ جب جائز طریقہ مناکحت کا برتا گیا پھر اُس کے ناجائز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ عرب چونکہ گرم ملک ہے اس لئے وہاں چھوٹی عمر میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرب ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جنکی عمریں پچاس ساٹھ سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہیں مگر اُنکی بی بیوں کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتانی چاہئے۔ مثلاً یوسف نجار کی عمر اسی سال کی تھی اور حضرت بی بی مریم عیسائیوں کے فرضی خداوند کی والدہ ماجدہ کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجائز کہیں گے اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ ناجائز شادیوں کا مرتکب گنا جائے۔ یہ عجیب قانون ہے اور عجیب استدلال ہے جس کا سر نہ پیر۔ رسول کریم بدنیت تھے اس لئے اُنھوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا اس سے زیادہ تعصب اور نہیں ہو سکتا کہ بلا وجہ الزام قائم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے بڑا پالہ مارا۔

اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اُسے بغور دیکھنا چاہئے حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور اُنھیں رسول کریم نے ایک خاص عزت بخشی تھی۔ ہجرت کے وقت بھی اُنھوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کرکے غار میں ایک وقت کھانا پہنچا آتی تھیں یہ خلوص اور محبت تھی مگر صدیق اکبر کے بہت سے رشتہ دار ابھی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مخالفانہ کارروائی کئے جاتے تھے حضرت ابو بکر کے خیال میں اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تاکہ رشتہ داروں کے غصہ کی آگ رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد ازاں علانیہ مخالفت نہ ہو سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے یہی بہت بڑی غرض تھی اور فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیق کا خیال بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے خیال کو پختہ کرکے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہیتی بیٹی آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ رسول کریم نے قبول فرما لیا۔ یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبر نے اس جدید نکاح کے راز اپنے معصوم بچی کو سمجھائے ہونگے اور تمام اونچ نیچ بتا دی ہو گی۔ غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس کے بعد حضرت بی بی عائشہ وداع

کر دی گئیں۔

اس جدید تعلق نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو مقاصد کہ اس سے حاصل ہونے خیال کئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بی بیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی اور آپ اُن ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات ہے ہم بھی کہتے ہیں ہاں محبت تھی اور بہت ہی محبت تھی سخت شرم کی بات ہے کہ خاوند بی بی کی محبت پر بھی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں۔ اور اسے بھی عیب گنا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپنے اپنی بی بیوں سے محبت کرکے اس بات کی نظیر قائم کردی کہ بی بیاں اس لئے نہیں بنائی گئی ہیں کہ اُن سے بحقارت پیش آیا جائے اور اُنھیں مثل لداؤ جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے اُن سے بات کیجائے اور کبھی بخندہ پیشانی اُن سے پیش نہ آیا جائے یہ ساری باتیں دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عورتوں کو اثاث البیت خیال کیا جاتا تھا نیا لے لیا پرانا پھینکدیا۔ آپ نے اس لئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کرکے اپنی اُمت کو بتادیں کہ کس طرح بی بیوں سے محبت رکھتے ہیں اُنکے فرائض کیا ہیں اور اُنھیں کیونکر ادا کیا جاتا ہے متعدد بیبیاں ہونے پر بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور یکساں سب کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ زبانی نصیحت کا اتنا بڑا اثر نہیں پڑتا جتنا عملی نصیحت کا ہوتا ہے اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی قدیم معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترمیمیں کی تھیں وہ خود کرکے دکھادیں جو کچھ آپکی ترمیم شدہ معاشرت تھی وہ نہ صرف قریشیوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر تھی۔ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت اس طرح اُن سے محبت کرنا یہ ایک عجیب و غریب سماں تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی یہ معاشرت کہ لونڈیاں بیگموں سے زیادہ بڑھ گئیں غیر قوموں میں تعجب سے دیکھی گئی۔

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیونکر سمجھا سکتے تھے کہ بی بیوں سے کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے اور اُن کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنے کا خاوند کا بہت

بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ آپ کو عورتوں سے بہت ہی محبت تھی۔ یہ بھی عجب تماشہ کی بات ہے کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس انیسویں صدی کے متمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے۔ لاکھ کچھ تہذیب پھیلے اور ہزار کچھ تمدن میں ترقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورتوں سے نفرت کرنے کی موروثی عادت جاتے انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہئے اور جسکے بغیر انسان کبھی انسان نہیں بن سکتا اُس صفت پر دریدہ دہن معترض حملہ کرتے ہیں اور اس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔

عیب نماید ہنرش در نظر، کا مضمون ہے۔ یہ حدیث ہے اور اسکی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپنے فرمایا ہے مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز۔ خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نکریں مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلیٰ مدارج کا پورا خاکہ کھینچ دیا اور بتادیا ہے کہ عورتوں کے کیا درجے ہیں اور اُنکے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ دنیا بھر کی اس شرمناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا اس حدیث سے ایک بہت بڑا تازیانہ لگا اور تمام قدیم خیالات کی بڑا کھیڑ کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادت الٰہی کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کرسکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی۔ اور کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپ نے عورتوں سے محبت کرنے کا بڑی سرگرمی سے اُس وقت اعتراف فرمایا جب عورتوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنے کی مہیب رسم تمام عرب میں جاری تھی اور تمام قوموں نے عورت کو شیطان کا لقب دیا تھا۔ اس رستخیز اور عورتوں سے انتہا درجہ نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت رب الافواج اور خوشبو کے پہلو بہ پہلو رکھنا ایک زبردست دلیری اور اعلیٰ درجے کی عورتوں کے مدارج میں ترقی تھی اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور ان کا پاس وادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کو بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کہ اس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی حق بجانب ہیں کیونکہ اُنھیں اپنے آباء و اجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے گرچہ بظاہر وہ کیسی ہی باتیں بنائیں لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اُس نفرت کو مٹادیں جو اُن کے

خون میں صدہا سال سے ملی ہوئی ہے۔

حضور انور نے زبان مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی دیدیا اور دنیا کو سکھا دیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو اعظم ہے اور وہ انسان نہیں ہے کہ جسکے دل میں عورتوں کا پاس وادب نہو۔ حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر بین طور سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلیگی جسکے ہاں عورتوں کا اسقدر بڑا احترام کیا جاتا ہو جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے حضور انور کی کل ازواج پاک امہات المؤمنین کے معزز لقب سے ممتاز ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے اس کا وہی احترام کیا ہے جو اُن کے ساتھ بمقتضائے اصول اسلام ہو سکتا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ کی مانی جاتی ہیں اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں یہانتک آپکا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی اخروی نجات کا دارو مدار آپ ہی کی تعلیم پر منحصر کردیا۔ اسیطرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی صحت کا دارو مدار صرف آپ ہی کی ذات پر موقوف ہے آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں اور آپنے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جبتک دنیا قائم ہے وہ آپ کا ممنون رہیگا۔

حضرت بی بی عائشہ کے مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم وفضل آپکی سیاسی دماغ اور آپکی سپاہیانہ کارروائیوں کا پورا علم ہوجائیگا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہوجائیگی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہنچایا تھا اور اُن کی مردوں کے ساتھ کس حد مساوات ہوگئی تھی۔

اس نکاح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا اور بس سوائے اسکے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا اُن روایتوں کو نقل کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ اُنھوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اُس محبت کو بتایا جو حضور انور آپ سے رکھتے تھے چنانچہ ہم اُن روایتوں کا خلاصہ کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کے ساتھ نسبت دیجاتی ہیں اور اُنھیں کو اُن کا قائل بتایا جاتا ہے وہ روایتیں یہ ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں پیغمبر خدا کی ساری ازواج میں کئی وجہ سے اچھی ہوں

اول آپ کی ساری بی بیوں میں مَیں ہی بن بیاہی آئی۔ دوم میرے ماں باپ مہاجر تھے سوم
جب زناکاری کا بہتان لگایا گیا تھا آسمان سے میرے بیگناہ ہونے پر آیت آئی تھی چہارم جب
میں بن بیاہی تھی جبرائیل نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے نکاح کر پنجم میں اور
پیغمبر خدا دونوں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ششم شب کو
پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور مَیں سامنے بیٹھی رہا کرتی تھی۔ ہفتم کسی بی بی کے ہاں سوتے ہوئے وحی
نہیں آئی مگر میرے ہاں سوتے وقت کبھی کبھی وحی بھی آتی تھی۔ ہشتم آپنے اُسوقت وفات پائی جب
میرے زانو پر سر مبارک رکھا ہوا تھا۔ نہم جس شب آپنے وفات پائی وہ میرے مکان میں رہنے کی شب
تھی۔ دہم میرے ہی حجرہ میں آپ مدفون ہوئے اسکے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں
جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیجاتی ہیں یعنے آپ فرماتی ہیں جب میرا نکاح
ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے وداع ہوئی میری عمر نو برس کی تھی میرا مہر پانسو
درہم کا بندھا تھا وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو ہمنے عمداً قلم انداز کردی ہیں اور ہمارا خیال
ہے کہ سب کا ایک ہی مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بی بیوں سے زیادہ خصوصیت
تھی۔ اب ہم ان روایتوں کی فطرت پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں صداقت
کا کتنا مادہ ہے۔

جہانتک غور کیا جاتا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی اسکی خاص وجہ
یہ ہے کہ جبتک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازدواج نے آپکے مقابلہ میں رسول خدا کی
نسبت کا اظہار کیا تھا ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بلا وجہ حضرت عائشہ نے اُن راز دارانہ تعلقات
کے بیان کرنے میں جو زوجیت سے متعلق تھے دریا دلی فرمائی ہو۔ کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی
ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور کے وصال کے بعد خلفائے
راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی امہات المومنین کی تکریم اور عزت کرنے اور انکے حقوق
کے برقرار رکھنے میں کچھ بھی کمی کی ہو یا اُن میں کچھ امتیاز قائم کیا ہو مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کے
زمانہ میں کل ازدواج پاک سے ادب اور بے انتہا تکریم کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا سب کی
نظروں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر فرق بھی کسی سے برتاؤ کرنے میں نہ تھا حضرت

بی بی عائشہ کی زیادہ تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ اُنھیں کوئی جاگیر بخشی گئی تھی - نہ بی بی حفصہ کے ساتھ کوئی خاص رعایت حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی جب یہ بات نہ تھی اور مساوات اس درجہ قائم تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر کسی بی بی نے حضور انور کے ساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابلہ میں اور کوئی مدعی نہ تھا بلاوجہ اظہار کیا یہ ایک گہرا راز ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی صداقت اور غیر صداقت معلوم ہو جاتی ہے -

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق زائل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا مدعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس وقت اوبدا کے اُسے اُن تعلقات کا خواہ زبانی ہوں یا تحریر میں آپکے ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو مرحوم کے ساتھ اُسے تھے اس کا ذکر نہیں کہ اُس کے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہے اور لغویت کتنی اور جب یہ بات نہیں ہے اور کوئی مدعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق زائل ہونیکا اندیشہ ہے پھر نہیں ممکن ہو سکتا کہ وہ بلاوجہ بولنے لگے کہ مجھسے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا - ایک پہلو تو یہ ہے دوسرا پہلو ان روایات کا جنکی نسبت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہے یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے راز دارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علی الاعلان اظہار کرے - عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہو شرم کا مادہ ودیعت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کبھی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرنے کی یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے اُن کا دوہرانا محض فضول ہے اور بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ جیسی عالمہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا سمجھ میں نہیں آتا - یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا بھی ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اُن میں بعض روایات کا پتہ اسلامی کتب صحیح میں بھی ملتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ان روایتوں کا وہ مفہوم سمجھیں جسکو عام لوگ سمجھتے ہیں - ہم کہتے ہیں جسطرح ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تحریم کا خیال تھا اسی طرح آپ کے بعد علما اور محدثین کو بھی اسکی طرف پوری توجہ تھی

چونکہ یہ ترسیم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوئی تھی اسلئے علمار اسلام کو خیال تھا کہ مبادا نو مسلم پھر اپنی موروثی عادت پر اُتر آئیں اور عورتوں کو اُسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ اُنکے آبا و اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جن میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت رکھتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی عمدہ تعلیم دی ہے۔ ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور سادی معاشرتیں تھیں جو انکے دل میں تھا وہ انکی زبان پر تھا اور وہ ہرگز یہ نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کئے گئے ہیں اُن پر اس طرح نکتہ چینیاں ہونگی اور یہ طوفان بے تمیزی اُٹھے گا۔ وہ اپنا سا نیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور انھیں اسلام نے اول ہی روز سے یہ تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بدظنی کو اپنے خیال میں رستہ دیتے ان روایات کی مجموعی صورت پر جب نظر جائیگی تو معلوم ہوگا کہ کسی طور سے بھی انکی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہوسکتی اور ممکن نہیں کہ اُنھوں نے بلا وجہ اور بلا سبب اپنی زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور اگر ہم اُسے صحیح تسلیم کرلیں اور یہ سمجھیں کہ یہ روایتیں کسیطرح بھی غلط نہیں ہوسکتیں بیشک جتنے اقوال کہ مشہور کئے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم اُن روایات کو صحیح سمجھکے ہر ایک کی توضیح کرینگے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک روایت سے بھی کوئی نقص حضور انور یا ام المؤمنین کی ذات میں نہیں آسکتا۔ جن کے خیالات اس معاملہ میں مذبذب ہیں وہ اور جو ان اقوال پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پسند نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہونگے وہ سب تحقیقی ہونگے ہمیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں تہذیبی کی باتیں ہیں اور یہ یہ نقائص ہیں جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے پھر آگے کسی بات کی گنجایش ہی نہیں رہی اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہو جاتا ہے اور بغیر اُس کے چارہ نہیں ہوتا مگر اس موقع پر چنداں الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض بحث و مباحثہ میں پڑنے کی

نہیں ہے بلکہ ہمارا اصلی منشا اُس غلط فہمی کو مٹانے کا ہے جو بعض کوتاہ اندیشیوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہیں اور بعض بدتہذیب ناشائستہ کرسٹانوں نے بات کا بتنگڑ بنا کے ان واقعات پر سرسنا کی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور پولوسیوں کی بھی اس قدر جرأت ہوئی کہ وہ اس دریدہ دہنی سے فخر رسل پر معترض ہونے لگے اور اُنھیں اپنے آپے کی کچھ خبر نہ رہی کہ بی بی مریم کو یہودی کیا کہتے ہیں ا نکے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی انجمن میں کیا فیصلہ ہوچکا ہے اور انکے مصنوعی مذہب کی بنا کس ناقابل یقین اصول پر ہے۔ بایں ہمہ ہم ان پر کچھہ سب وشتم نہیں کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا اُنھیں راہ ہدایت دکھائے۔

(اول) حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ میں پیغمبر خدا کی کل ازواج میں اچھی ہوں کیا بُرائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب نبی کی بیبیاں تھیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ اُن بیبیوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت بھی یکساں تھی۔ چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ نہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہو گئی تو اُسمیں عیب کیا نکلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اول کوارپنے میں نکاح ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے نہ جھوٹ ہے نہ کوئی افترا ہے یہ صحیح ہے جب رسول مقبول سے نکاح ہوا ہے تو آپ بن بیاہی تھیں معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا یہ قول کہ رنڈاپے میں نکاح ہوا یا کوارپنے میں کیوں لائق سرزنش خیال کیا جاتا ہے اگر لفظ کواری کوئی فحش لفظ ہے تو بی بی مریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے۔ اور کیوں شب و روز فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام جپا کرتے ہیں۔ شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور مہذب سے مہذب علم ادب میں کیوں کوارے یا کواری کا لفظ مستعمل ہوا کرتا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنائی جاتی ہیں مگر ان کا کذب تو اسقدر عیاں ہے کہ معترض خود دل میں سمجھتا ہوگا کہ میں دیدہ و دانستہ جھوٹ بول رہا ہوں۔

دوسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے یہ بھی غلط نہیں ہے

نہ اس بیان کرنے میں کسی قسم کی بُرائی عائد ہو سکتی ہے۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر کرنا انتہا درجہ تعلق اسلام پر دال ہے کہ اُنکے والدین مہاجرین یعنے اُنھوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسول خدا کے لئے چھوڑ دیئے تھے شاید ہجرت کرنا عیسائیوں کی نظروں میں اس لئے کھٹکتا ہوگا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک بھی نہ دکھائی دیا تھا جو شب و روز مسیح کے ساتھ مفت کے مال اُڑاتے تھے انھوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے سچی رفاقت اور اس پر فخر کرنے کو آئندہ جرم قرار دیدیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے محسن کے ساتھ ہوئی ہو فخر کرے یا اس کا اظہار کرے اس لئے وہ اس فخر پر جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونے کا کرتی ہیں سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ اُن کے فرضی خداوند مسیح کی عملی تعلیم ہے اسلئے وہ بھی قابل معافی ہیں۔

تیسرا فخر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھ پر اُٹھایا گیا تھا خداوند تعالیٰ نے اسکی تردید کرکے آسمان سے آیت اُتار دی اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہو سکتی ہے کہ آسمان سے کسیکی صداقت کی آیت نازل ہو حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قایم ہونیکے واقعہ کی خواہ کچھ ہی اصلیت کیوں نہ ہو اور مفسرین میں اُسکی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ پڑگئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو اُن ہی معمولی معنوں میں لے کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھ لئے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے پیچھے رہجانے پر شبہہ ہوا تو حضور انور کو بحیثیت اسکے کہ آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے مملو تھے۔ بدگمانی ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست کی گئی کہ وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں مگر انھوں نے صاف انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ رائے نہ دی کیونکہ یہاں رائے دینے کا کوئی موقع نہ تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی متردد تھے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا رسول کریم کی کشیدگی سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت

ابوبکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت بی بی عائشہ کو کبھی ناراضی کی مطلق پروانہ تھی اور وہ اُن بدگمانیوں یا شبہات کا جو لوگوں کو اُنکی طرف سے ہو گئے تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں چونکہ وہ حق پر تھیں اسلئے وہ تنہا دلیری کیساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے اُنکی صداقت کی شہادت نازل ہوئی اور تمام ازواج میں فی الحقیقت یہ فخر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُن کے لئے آیت نازل کر کے اُنکی تقدیس کی شہادت دی رکسی کے تہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ تہمت لگانے والے سچے ہیں اور جن پر تہمت لگائی گئی ہے وہ ملزم ہیں حضرت بی بی مریم پر یہودی تہمت لگاتے ہیں اگر محض تہمت لگانا کچھ وزن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھ شہادت نہیں ہے نہ حضرت مسیح کا ایسا کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اُس الزام کی تردید ہوتی ہو جو یہودی اُن پر قائم کرتے ہیں ہاں قرآن مجید نے حضرت بی بی مریم کی تقدیس کی کچھ شہادت دی ہے اور بس ایک عیسائی معترض یہ لکھتا ہی کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت بی بی عائشہ کی پاکدامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے مگر مشکل یہ ہے کہ حضرت بی بی مریم کی پاکدامنی کی تو ایک بھی شہادت نہیں ہے رہا سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی دو لفظی شہادت ہزارہا روایتوں اور شہادتوں پر سبقت رکھتی ہے۔ جب قرآن مجید نے شہادت دیدی پھر اُنھیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ پر دوسرا شاہد تلاش بھی نہ کر سکتے تھے۔ بہرحال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ اُنھیں جتنا فخر کریں زیبا تھا۔

چوتھا فخر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبریل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کر۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس میں کیا قباحت ہے اور کیوں حضرت جبریل کا تصویر دکھانا ناجائز گنا جاتا ہے تصویر دکھانے سے یہ مطلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس

نکاح میں خاص خاص مصلحتیں اور حکمت عملیاں تھیں جنکا مختصر ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا اگر حضرت عائشہ نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنی کیوں لئے جاتے ہیں اور مجازی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے ہم کہتے ہیں اگر جبرئیل کے تصویر دکھانیکے معنے حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہے چلو یہ بھی نہ سہی اس روایت کے وہی معنے لیتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے لئے جاتے ہیں تاہم اس میں اُس وقت بھی نکتہ چینی کو کوئی گنجائش نہیں رہتی جبکہ انجیلوں اور توریت میں ہزاروں لغو اور دور از قیاس اور فحش باتیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم کس بنا پر انھیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر بھی فی الحقیقت بجا و درست تھا۔

پانچواں فخر۔ پیغمبر خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فخر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک برتن سے نہانیکے کیا معنے ہیں۔ اگر یوروپی تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک ٹب میں گھر کا گھر نہاتا ہے اُسی میں صابون گھلتا ہے اور ایک بار نہانے کے بعد وہی پانی بھرا رہتا ہے اور پھر اُسی میں دوسرے دان غوطہ لگایا جاتا ہے اور اخیرہ پانی سڑ جاتا ہے پھر کہیں بمشکل پھینکا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک برتن سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں ہے ہاں اُس شخص کے لئے فخر کی بات ہے جو مسلمان ہو اور جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہو اُسی کو وہ استعمال کرے تو اس سے زیادہ فخر اُسے ہو نہیں سکتا اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ایک ہی برتن میں نہانے کا فخر کیا تو انکی یہ اعلیٰ درجہ کی ایمان کی نشانی ہے کہ رسول کریم کی ادنیٰ ادنیٰ مہربانیوں کا اُنھیں کسقدر فخر تھا اور وہ اُسے کس درجہ اپنی عزت اور امتیاز کی نشانی سمجھتی تھیں ان پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا مضحکہ اڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین ناانسانیت ہے اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے معترض کا سفلہ پن پایا جاتا ہے کیا تماشہ کی بات ہے کہ اس اُنیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی نبوت سمجھا گیا ہو کہ اگر یہ امور صحیح بھی ہوں تو ان سے

اتنا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عورت و مرد کی اُس مغائرت کو کھونے کی تدبیر کی گئی تھی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہوگئی تھی اور کسیطرح بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ الحمد للہ کہ رسول کریم کو اُس میں کامیابی ہوئی۔

چھٹا فخر۔ پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور مَیں آگے بیٹھی رہتی تھی۔ یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے یہ بات تو ثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی چاہیتی بی بی کے ہاں بھی آ کے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اگر بفرض محال یہ بھی صحیح ہو کہ نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہ آگے لیٹی رہتی تھیں تو یہ بھی اپنی اُمت کے لئے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اُس وقت جب اُسکی جوان بی بی آگے لیٹی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کر کے خدا کی عبادت کر سکتا ہے یہاں گویا انسانی قوت اور دلی جذبات پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قایم کی ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں۔ اگر ہر بات کو حق سمجھ کے غور کیا جائیگا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہوگا اگر ہیئے کے پھوٹے اس حکمت کو نہ دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہے بلکہ دلی بصارت کا نقص ہے سعدی نے بہت ہی درست کہا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم سے خالی نہ تھا۔ آپ کا اُٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا کھانا پینا غرض ہر کام میں بالغہ حکمت مضمر تھی اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ بھی اعلی درجہ کی تعلیم تھی کہ مرد جوانی کی عمر میں اپنی سی بڑی بی بی پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے متعدد نکاح کئے ان میں بھی بہت بڑی تعلیم تھی کہ انسان کئی کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قائم رکھے۔ اور اُسے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے ایک اعلی درجہ کے برتاؤ کے یہ معنی ہیں کہ ہر بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر نقل کئے گئے ہیں تو اُنکے مقابلہ میں کسی اور بی بی کی شکایتیں بھی درج نہیں ہیں کہ فلاں بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تھی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تھیں ایک قسم کا کھانا ایک قسم کا لباس

خوشی ہے تو سب کو برابر مصیبت ہے تو سب کو ساوی۔ فاقہ ہے تو سب پر یکساں اگر ایک بی بی کے حجرہ میں چراغ نہیں ہے تو سب کے حجروں میں اندھیرا ہے۔ یہ مساوات تھی اور یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم تھی جو نہ کبھی زمانے نے دیکھی اور نہ کبھی کسی قوم میں پھیلی۔ آنحضرت کی اور بیبیاں بڑی عمر کی تھیں بعض جوانی سے ڈھلی ہوئی بعض ادھیڑ اور بعض بوڑھی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان تھیں اسپر بھی آپنے یکساں برتاؤ کرکے بتادیا کہ خاوندوں کو اپنی مختلف العمر بیبیوں کے ساتھ کس طرح مساوات رکھنی چاہیئے اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے ذہنی کنواریوں کے تذکرہ کرتے رہتے اور دولہ دولہنوں سے مشابہت دیتے رہتے اور عورتوں کی معاشرت میں کوئی عملی اصلاح نہ کرتے تو کیا کیفیت ہوتی اور عورتوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہو جاتی نہ انھیں حقوق ملتے نہ اُنکی عزت کیجاتی نہ اُن پر رحم کیا جاتا وہ اسیطرح مردوں کی خواہشوں کی شکار ہوتیں اور اُنکا دادرس ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ الحمدللہ کہ اس وقت تک کروڑوں عورتیں ان حقوق سے فیضیاب ہو چکیں اور کروڑوں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ یہ اسی معاشرت کا پرتو ہے جس پر نامہذب دریدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔

ساتواں فخر۔ پیغمبر خدا پر میرے حجرہ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر سر رکھکے وفات پائی یا آنحضرت میرے حجرہ میں مدفون ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے کمرہ میں آنا وہی معنی رکھتا ہے جو ہم نے نماز پڑھنے کے متعلق بیان کیا ہو۔ حضرت جبرئیل یا روح القدس وحی لاتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپ کی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم وتلقین سے خالی نہ ہوتا تھا۔ بی بی کے حجرہ میں جاکے بجائے اسکے کہ آپ آرام کرتے مگر نہیں وہاں بھی لو اپنے معبود سے لگی رہتی اور فی الحقیقت آپکا کوئی نفس یاد خدا اور اصلاح بنی نوع سے خالی نہ تھا ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کبھی کبھی کا موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپکے حجرہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اس میں ایک عجیب بات پائی جاتی ہے اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کیجاتی اور جب کبھی کبھی نازل ہوئی تو اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کے دل میں ربانی جذبوں کا اُبھار اور آپ کے منور قلب سے وحی کا فوارہ اُچھلنا کسی خاص تنہائی میں

ہو سکتا تھا خاص حجرہ ہی پر کیا مقرر ہے وہ مقام اور وہ شخص جس سے جو مقام تعلق رکھتا ہو وحی نازل ہونے پر جتنا فخر کرے بجا ہے اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنے ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس ولحاظ آپ کتنا فرماتے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلا کی محبت تھی بیشک جس طرح بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہے اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کرکے تعلقات زن وشوئی کی کیسی تصویر کھینچدی ہے۔

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ جن مسلمان مورخوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر اُن میں وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً جب عبداللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبداللہ یہ کیوں نہیں فتویٰ دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈ والیں۔ اس قسم کی اصلاحیں عورتوں کی خواص معاشرت میں آپنے بہت سی فرمائی ہیں حضور انور کی اور ازواج پاک سے بھی بہت سی حدیثیں منقول ہیں مگر ان حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ بڑہی ہوئی ہے جو آپنے روایت فرمائی ہیں مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علمار نے کل اُن روایتوں کو تسلیم نہیں کرلیا ہے جو حضرت بی بی عائشہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتون ام المومنین کا یہ مذہب ہے کہ پیغمبر خدا کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علما اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور انھوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی مانا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کیجاتی ہیں فی الحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت ہوں جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریم کی اطہر واقدس ذات سے دیدی گئی تو یہ کونسی بڑی بات تھی کہ آپ کی ازواج پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت نہ دیجاتی۔ ہر راوی کا حدیث کے موضوع کرتے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لے اور اپنے موضوعی قول کو اسکی نسبت دے تاکہ سُننے والے اُس پر اعتراض

نہ کریں اور انھیں اُس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہو۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اس لئے آپکی شہرت بہ نسبت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہوگئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکثر اقوال کی آپ کے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے اکثر آپ پر نئے نئے الزام قائم کیئے گئے ہیں حتیٰ کہ آپ کو رسول کریم کا پکا دشمن بنا کے دکھایا گیا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سنیوں کی کتابوں میں آپکے نام سے مرقوم ہیں اُن اقوال سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں آپکے سر چپکے گئے ہیں۔ پھر خوارج کی کتب میں اُن میں بھی سدہا بلکہ ہزارہا اقوال آپ کے نقل ہیں مگر صداقت کی روشنی بہت ہی کم اقوال پر پڑ سکتی ہے۔ جب سے آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے روایتوں۔ اتہاموں اور ناروا طوفانوں کا ایک دریا ہے جو موجیں مار رہا ہے اور ایک انبار ہے جو کتابوں میں بھرا ہوا ہے۔ اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لایعنی انبار میں سے صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے عیسائی معترضین کو تو ان الزامات کی ہوا بھی نہیں لگی ہے جو اس ام المومنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فریق نے قایم کئے ہیں وہ روایتیں کہ خود رسول کریم کے زمانہ میں آپ پر تہمت لگائی گئیں اور آپ کا ناقہ قافلہ سے بھٹک کے ذرا پیچھے رہ گیا تھا اور پھر آپکی تطہیر کی نسبت وحی نازل ہوئی ایک عجیب بے معنے قیاس ہے جسے بلا وجوہات سنیوں کی معتبر کتابوں نے بھی تسلیم کرلیا ہے نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچھے رہ گئیں نہ آپ پر رسول کریم کے سامنے کوئی تہمت لگائی گئی نہ آپ کی تطہیر کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی یہ ساری باتیں بعدازاں تراشی گئی ہیں اور انھیں فی الحقیقت صداقت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کرینگے اور انھیں نفس صداقت کی محک پر رکھکے پرکھیں گے تو معلوم ہو جائیگا کہ حقیقت سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور ساری شرمناک باتیں صرف اُس مخالف فریق کی معاندانہ خیالات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفہ ثالث کے وقت سے پیدا ہوگیا اور اُسی نے ان مصنوعی روایات کو اسقدر شہرت دی کہ وہ درجۂ تواتر تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہونے لگا اگر قرآن مجید بہت

سی روایتوں کی تکذیب نہ کرتا تو اسلام میں اور بھی خرابی پیدا ہو جاتی اور پھر صحیح واقعات کا بمشکل کھوج ملسکتا حضرت بی بی عائشہ کی مثل اور ازواج پاک کے خانگی زندگی نہ تھی کہ اُنکے حالات قلمبند نہ ہوتے اور بہت سی جھوٹی باتیں اُنکے نام سے مشہور نہ ہوتیں جتنے مشہور لوگ ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں اُنکے نام سے ہزاروں اقوال ایجاد ہو گئے اور ایسی ہزاروں باتیں موضوع کر لی گئیں جنھیں صداقت سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پاگئیں اگرچہ بعد ازاں اُنکی تحقیق و تدقیق بے انتہا کی گئی لیکن پھر بھی بہت سی روایتیں ایسی باقی رہ گئیں جن کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہو سکتا - ابتدائی سنین ہجری میں خلفا کا باہم جھگڑا نئے گروہوں کا پیدا ہونا اور اُن میں کشش ہونی روایتوں کے موضوع ہونیکی کافی شہادت ہو سکتی ہے ہزاروں اقوال جو حضرت ابوبکر صدیق کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں فی الحقیقت اُنکے نہیں ہیں اسیطرح نئے نئے اقوال کی ہر خلیفہ اور ام المومنین کے نام سے نسبت دی گئی ہے جسے واقعی اُنھیں کچھ بھی سروکار نہیں تھا مصنوعی حکایتوں کا طوفان بے تمیزی برپا ہے اور صداقت پر یہ موضوع اقوال مثل ایک جال کے پھیلے ہوئے ہیں ایک محقق کے لئے صداقت کو اُس جال میں سے نکال لینا اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل تو ضرور ہے -

ان جھوٹی روایتوں کی ایجاد کا باعث دراصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آغاز سنین ہجری میں بدقسمتی سے سلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جن کا سلسلہ دراز عرصہ تک رہا اگرچہ زمانہ نے اُن لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جو نتائج کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتا پیدا ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں کو بہمہ وجوہ حاصل ہیں اور صدیوں کا غبار اُنکے خون میں ایسا امیز ہو گیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی اگرچہ اس زہریلے اختلاف میں بھی اسلام کا معجزہ باقی ہے یعنی سب کلمہ توحید پڑھتے ہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے پیرو ہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر بُرا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا یہ مخالفت جو اسوقت ہو رہی ہے یہ صرف اُن اختلافی روایات

کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں ان اختلافی روایتوں نے قرآن مجید کے معنی پر بھی اثر ڈالا اور مجبوراً اُسکی آیتوں کو اُن ہی جھوٹی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور ورثہ پہنچی تھیں اس لئے اکثر تفاسیر میں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا نہ کبھی ظہور ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ اُنکی کچھ اصل ہے بھلا کہاں شام - کجا چین اور کجا ایک درخت کا وجود اور کجا اُسکی شاخوں کا چین جا کے گرنا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی فسانوں کا رنگ پایا جاتا ہے اور کلام آلہی یا فطرت کی بیاض کو ان بیہودہ باتوں اور خیالی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں۔

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور رہوتے ہوتے تواتر تک پہنچ گئی ہیں تکذیب کرنی پڑی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید قسم کا استدلال آئندہ نسلوں کے لئے مفید ثابت ہوگا تاریخوں میں ہزاروں واقعات بھرے پڑے ہیں ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کرکے اُن واقعات کو تسلیم کرلیں اور یہ تحقیق نہ کریں کہ آیا جو واقعہ بیان ہوا ہے اُس کا تطابق بھی اُس زمانہ کی معاشرت سے ہو سکتا ہے اور آیا جسکی نسبت مذکور ہوا ہے اُس پر پھبتا بھی ہے یا نہیں اور اُسکی معاشرت اُسکی شان اور اُسکی وضع کے کہاں تک مخالف ہے اور کہاں تک موافق ہے - اس کا راوی کون ہے آیا وہ سُنی ہوئی لکھتا ہے یا چشم دید بیان کرتا ہے - اگر سنی ہوئی کہتا ہے تو اُسنے کس شخص سے سُنا اور آیا جس شخص نے اُس سے بیان کیا ہے اُسنے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی سُنی سنائی کہتا ہے - اور اگر لکھنے والا چشم دید واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہے اور جو واقعات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اُن سے نتیجہ نکالنے میں تو اُس نے دھوکا نہیں کھایا غرض جبتک ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کرلیا جائیگا کبھی مختلف تواریخوں میں سے خواہ ہمعصر مورخوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہوسکتا - کون ہے جو یہ عرق ریزی کرکے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انصاف سے کبھی ایسی جاں کاہی کی ہے -

ہم نے جو اُصول واقعات کے جانچنے کے اوپر لکھے ہیں انشاءالله ہم ان پر کاربند

ہونیکی کوشش کرینگے اور حتی الامکان انھیں نباہئین گے۔ خدا ہماری مدد کرے اور اس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

ہم سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے شرمناک واقعہ کو اپنی اصول متعارفہ سے جانچ کرتے ہین اور دیکھتے ہین کہ یہ کہانتک صحیح ہے زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت اس واقعہ کی نہین ہے کہ آپ کاروان سے پیچھے رہ گئی تھین اور اس وجہ سے آپ پر کچھ شبہہ ہوا تھا اور اگر فرض کرین کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت ہے بھی تو وہ اُس وقت قلمبند نہیں ہوئی تھی بلکہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ المامون کی سلطنت کا تھا جو معتزلی تھا اور اسے اس بیہودہ واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لکھنے والوں نے بہ نسبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے قلمبند کیا اور اُنکی نیک نیتی اسی سے عیاں ہے کہ اُنھوں نے ساتھ ہی آیۂ تطہیر کو بھی قلمبند کر دیا جو اس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ انسانی مجبوری کیوجہ سے اس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے کے لازمی اور اُس سے بچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ یعنے اُنھیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے، اور بہ نسبت ہمارے انھیں صدہا درجہ مشکلات کا سامنا تھا اُن پر سلطنت کا بھی کچھ نہ کچھ دباؤ تھا۔ اُنھیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا اُنھیں لوگوں کے خیالات اور محسوسات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ اُنھیں عامۂ خلائق کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب مشکلات پر ایک یہ مشکل اُنھیں درپیش تھی کہ کوئی معیار ابھی تک صحیح اور غیر صحیح روایت کے جانچنے کی اُنکے پاس نہ تھی پھر بھی جو کچھ اُنھوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تا بقاے اسلام یعنی تا قیامت داد دے گا۔ چونکہ وہ اسلامی اصول کے مطابق معصوم نہ تھے اس لئے ممکن ہے کہ اُن سے کہیں اغلاط رہ گئی ہوں اور وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس فروگزاشت میں پڑ گئے ہوں جس میں اگر وہ واقف ہوتے تو کبھی بھی نہ پڑتے۔

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فروگزاشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ نبی اور آپکی نبوت اور پھر اُم المؤمنین کی حالت پر چسپاں ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہرا طور پر حضرت بی بی عائشہ پر لگایا جاتا ہے مگر اصلی ملزم (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ٹھیرتے ہیں کیونکہ حضرت صدیقہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے اُن کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہجانے سے کسی کو کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرتا اور خیال میں بھی کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرتا جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی عینی شہادت نہیں دی تھی پھر کیوں اور کسوجہ سے ایسا ہوا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شبہ کرنے لگے اور شبہ بھی ایسا کہ دنوں بات نہ کرے اور سخت متردد رہے کہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ سے یہ کہے کہ تم توبہ کرو۔ پس معلوم ہوگیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور اُنھیں حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

اسی واقعہ کا ایک پہلو اور بھی غور کرنے کے قابل ہے عرب میں مثل ہندوستان کے پردہ نہیں تھا اور نہ عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں چلی جائے تو اُس پر شبہ کیا جائے عورتوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ اُن سے برتاؤ کیسا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں بھائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا۔ مثلاً جب مشرکین عرب نے پے درپے مدینہ منورہ پر حملے کئے ہیں تو مشرکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آئی تھیں اور دف بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں اور کوئی شبہ کرنیوالا نہ تھا۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا قبل از نکاح نبی معصوم غیر مردوں سے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کا انجام دینا اس امر کی کافی شہادت ہے کہ معمولی لین دین اور آمد و رفت میں اُن کے ہاں شبہ کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابو لہب کی بی بی کا لکڑیاں لینے کے لئے تنہا جنگل میں

جانا اور رسی میں پھنس کے مرجانا عورتوں کی آزادی کے یہ کل واقعات پورے شاہد ہیں اسیطرح اگر حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں اور بسبب بھٹک جانیکے کچھ عرصہ تک نہ پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور ملکی رسم کے بموجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جب یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں پھر کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر شبہ کرتا اور کئی دن تک خود بھی پریشان رہتا اور اپنے صحابہ اور اپنی پیاری بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے بیہودہ شبہوں کی اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے تمام متواتر تواریخی واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گزرے اور اُنھوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا اسکی خاص دلیل ہیں کہ اسلام نے اس قسم کے شبہات کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پر زنا کا الزام لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ وغیرہ ہونیکی گزریں اُن سے بظاہر کافی ثبوت وقوع جرم کا ہو سکتا تھا مگر جبکہ کوئی شہادت وقوع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا۔ اور فی الحقیقت انصاف بھی یہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو بھلا کب خیال میں آ سکتا ہے کہ قافلہ سے بھٹک کے پیچھے رہ جانے پر شبہ کیا گیا ہو اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اسقدر طول دیا گیا ہو یہ الزام اور اس قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشش اور خانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں ورنہ ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی۔

جب حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری پر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور اُن الزامات کو بھی قبول کر لیا جائے جو آپ پر قائم کئے گئے ہیں پھر بھی آپ کو غیر معمولی فقیہانہ قابلیت اور انتظامی و جنگی لیاقت میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ صرف آپ ہی کے طفیل سے ہزاروں ایسے مسائل کا کھوج ملتا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور ایسے مسائل کا سمجھانا ایک مرد کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ جس طرح دنیاوی معاشرت اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسیطرح عورتوں کو بھی اسکی از حد حاجت تھی۔ اور بغیر اسکے پاکی کے مسائل کبھی سمجھ ہی میں نہ آ سکتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہیں آپ نے بہت کچھ مسائل جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں

بھی آپنے پورا حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسین شہید کربلا کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ دوبدو امیر معاویہ سے حسنین کے بارے میں لڑی ہیں۔
چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آتے ہیں اور ایک جلسہ کیا ہے تو وہاں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ ادہر اُدہر کی باتیں کر کے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا ذکر چھیڑا اور حضرت امام حسین سے درخواست کی کہ آپ اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں آپنے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہ کے ہمراہ شام سے آئے تھے اس انکار پر بھڑک اُٹھے اور اُنھوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے یہ دیکھکے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا امام حسین فہیدہ شخص ہیں سوچ سمجھ کے راضی ہوجائیں گے۔ چنانچہ اخیر میں حضرت امام حسین نے بیعت کی مرضی ظاہر فرمائی۔ اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہ کو ہوئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مارے غصہ کے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے مسجد نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا وہ فوراً آئے صورت دیکھتے ہی بہت ہی للکارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سنا ہے کہ تو نبی معصوم و برحق کے نواسہ سے اس طرح پیش آیا ہے تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں تیری ساری امیری کو خاک میں ملا دونگی۔ یہ سن کے معاویہ نے باادب عرض کیا اے ام المؤمنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہ میں نے حضرت امام حسین کی ایسی گستاخی کی نہ میں کرسکتا تھا یہ بیشک ہوا کہ بعض غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی اس لئے یہ خبر اُڑی ہے حالانکہ میں نے اُنھیں ڈانٹ دیا۔ حضرت ام المؤمنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے تو جان اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھیو۔

یہ تھا فدایانہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہ تھی سپاہیانہ روح جو آپ میں اول روز سے ودیعت ہوئی تھی۔ آپکے پُرجلال اقوال اور آپ کے زبردست کلمے ابھی تک موجود ہیں جنگ جمل میں جب بڑا گھمسان کا میدان ہوچکا ہے تو حضرت علی نے آپکے بھائی کو آپکے پاس سمجھانے کے لئے بھیجا چنانچہ وہ آئے اور اُنھوں نے کجاوے پر ہاتھ رکھ کے پاس آ کے کچھ کہنا چاہا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتی تھیں اپنے بھائی کی صورت نہیں

دیکھ سکیں نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آیا ہے حالانکہ سوائے نبی معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا ہے میں تلوار سے اڑاتی ہوں نہیں ہاتھ کو ہٹا لے یہ سن کے آپکے بھائی نے کہا بہن میں ہوں تم سے علیؑ کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں پھر آپنے پاس بُلا کے وہ پیغام سُنا اللہ اکبر جس خاتون کا یہ دبدبہ اور یہ جلال ہو اسکی نسبت شبہ کرنا اور بلا وجہ اُس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے۔

آپکے آگے آنیوالے مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھلجائیگی کہ آپ کیا تھیں اور آپنے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر رائے قائم کر دینی جسے تیرہ سو برس گزر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اُس سے نتیجہ نکال لینا یہ فہمیدہ اشخاص کا کام نہیں ہو سکتا جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بی بی عائشہ پر کر چکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی نکتہ چینیاں کہ نو پیدا عیسائیوں اور آریوں نے کی ہیں انھیں بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعتراضوں کی بنیاد تقلید ناواقفیت اور موروثی عداوت ہے۔ ورنہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو سچا ہو اور اُصول تاریخ سے اس کا ثبوت ہوتا ہو اور صداقت کی محک پر گھسنے کے بعد وہ کھرا اُترتا ہو۔ اسلامی فریق نے اگر کچھ اعتراض کئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نو پیدا گروہوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب سے بھی معرا ہو گئے اور اُنھوں نے وہ گالیاں سنائیں کہ العظمۃ للہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ازواج پاک سے اُنھیں کاہے کی دشمنی پڑ گئی اور اُنھوں نے ناحق بیٹھے بٹھائے کیوں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ تین میں نہ تیرہ میں۔ مثل لوند کے مہینے کے بیچ میں آکودے۔ ہاں اگر حضرت بی بی مریم کی شان میں گستاخی کی جاتی۔ اور یہودیوں کے اقوال بیان کئے جاتے اور ہندوں کی دیویوں پر تبرے بازی ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور مثل جنگ جمل وغیرہ کے کتاچھنی ہوئی ہوتی تو ایک بات بھی تھی مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو پھر محض ذاتی خباثت کے سوا اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ اُنھیں ہر شخص اپنے پہلو پہ لا کے بہت کچھ اعتراضات نہ کر سکے۔ کسی شخص کی عالم بالا

پرپرورش نہیں ہوئی ہے۔ سب اسی دنیا کے رہنے والے ہیں سب کے ساتھ فروگزاشت اور کمزوری لگی ہوئی ہے اور سب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے کہ اپنے گریبان میں موہنہ تو نہ ڈالا جائے اور دوسرونکو گالیاں دیجائیں۔

ہمارا شیوہ نہیں ہے کہ ہم نا ملائم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دینے بیٹھ جائیں بلکہ ہمیں بہت ہی صبر سے اُن گالیوں کو سننا چاہئے اور گالیاں دینے والے کی حالت پر افسوس کرنا چاہئے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اسکی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس درجہ ردی ہوگئی ہے۔ گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو سیر کا جواب سوا سیر اور اینٹ کا جواب پتھر دینا نہیں آتا مگر اس قسم کے ترکی بترکی جواب دینا کچھ خوبی کی بات نہیں ہے انسان کی عین شرافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزردہ نہو اور خوب یقین کرلے کہ آفتاب کی کرنیں میلا ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایک دریا میں سے چند کتے پانی پی لیں اور چند سور اُس میں موہنہ ڈالدیں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہو جائیگا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور جن امہات المؤمنین کو گالیاں دی گئی ہیں اُنکی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے اُن پر سر جھکانے والے کروڑوں موجود ہیں اور اُنکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ان گالیوں سے اُن کے مرتبہ میں کچھ فرق نہیں آسکتا جب کہ تیرہ سو برس سے برابر گالیاں دیجا رہی ہیں اُن کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پیدا عیسائیوں اور آریوں کی گالیوں سے کیا نتیجہ ہوگا سوائے اس کے کہ اخلاق مسیحی اور اخلاق ہنود کا وزن معلوم ہو جائیگا اور بس۔

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فریقوں میں پڑگئی ہے اور فریقین اُسے صحیح سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم ازواج پاک میں کچھ کشمکش تھی یہ محض غلط ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کوئی راز کی بات اپنی کسی بی بی سے کہی اور اس نے ظاہر کردی

یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑھاپے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہو اور آپ کو انکی نسبت شبہ ہوا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپکو اہلبیت سے کچھ عداوت ہو ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معتبر کتابوں میں مندرج ضرور ہیں مگر اُن کے اختلافات سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے۔ اب ہم مختصر طور پر حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم ان الزامات کا بھی جواب دیتے جائیں گے جو معترضوں نے آپ پر کئے ہیں۔

آپ سات سال کی عمر کی تھیں جب آپکا نکاح حضورانور سے ہوا اور تین سال کے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کے حضورانور کے ہاں چلی تھیں۔ آپ کی زندگی کے واقعات کچھ عجیب وغریب ہیں جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضورانور کو تھے وہ ایسے ہی ہیں کہ ان سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا جو کچھ آپ کو رسول کریم کے گھر میں تعلیم ملی تھی اُس کا نتیجہ بعدازاں اُمت نے دیکھا آپکی فقیہانہ قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جو کچھ زندگی تک آپنے کیا وہ اسلام میں بڑی ہی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے آپنے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بھاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت سی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کے متعلق پڑگئی تھیں بچالیا۔ اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آپ کو حضورانور کی احادیث پر عبور تھا اور کسیکو کم ہو سکتا ہے آپ کی صداقت اور راستبازی کی ادنیٰ شہادت یہ ہے کہ آپ کی روایتیں سب قبول کر لیتے تھے اور کسی کو بھی انکار کرنے کا یارا نہ تھا۔ آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کر لیا اور اسی سبب سے ایک فریق کی آپ مورد طعن وتشنیع نہیں لیکن حضورانور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں ایسی پیدا ہو گئی ہیں جنھوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو مبتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب ہلچل پیدا ہو گئی ہے۔

واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں اُنکی بنیاد در اصل کچھ بھی نہیں ہے نہ اُنھیں نفس

صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر اُن غلط روایات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ اُن کو
دلوں سے نسیاً منسیاً کرنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر مشکل ضرور ہے - ایک طرف تو یہ روایتیں
بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت عائشہ سے آنحضرت کو بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ
بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن تھیں لیکن یہ ثابت نہیں کیا
گیا ہے کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جبکہ اُس کا خاوند اُس پر فدا ہو
بلا وجہ اور سبب دشمنی کرے گی اس دشمنی کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ ایسی مہمل اور خلاف
قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتا کہ اخیر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور آیا
ایسے شرمناک اُمور حضور انور کے سامنے ہو بھی سکتے تھے یا نہیں-

ڈھائی پونے تین صدی تک تو یہ باتیں دبی رہیں اور کسی نے کچھ بھی نہ جانا ہاں تیسری
صدی کے آغاز میں جب صحیح بخاری کی ترتیب ہوئی ہے تو کچھ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور
کوشش کیجانے لگی تھی کہ اُسکے مقابلہ میں ضرور کچھ تصنیف کیا جائے- تحریک ہوتی رہی
اور اسے پورے پچاس سال کا عرصہ گزر گیا اخیر نصف صدی کے بعد روایتیں بننی شروع ہوئیں
اور انہیں زبردستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا- مگر سلطنت ایسے خلفا کی تھی جو ایسی صریح
غلط باتیں شایع ہونی شاید گوارا نکرتے اس لئے اُن میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور
بعدازاں ان صحیح اقوال کی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ العظمۃ للہ کہیں مقتضائے وقت بتایا گیا اور
کہیں مجبوری کا عذر کیا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جتنے صحیح اقوال درج کئے
گئے ہیں وہ سب فرضی ہیں یا ائمہ نے ظالموں کے ظلم سے ایسا کہدیا ورنہ ہیں یہ سب غلط-

ان ہی مذبذب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی
ہیں اور نہایت سختی سے بیان گیا گیا ہے کہ اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن تھی تو وہ عائشہ صدیقہ
تھیں خیال نہیں ہو سکتا کہ پونے تین صدی کے بعد جب کہ ہزارہا انقلاب ہو چکے ہوں
اور سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ موجود نہ ہو کئی نسلیں بھی اس عرصہ میں گزر گئی
ہوں پھر راویوں کو جدید اقوال کہاں سے ملگئے اور انھوں نے اُن کی صحت کی کیونکر تصدیق
کی- پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں اُن روایتوں سے اختلاف کیا اور کیوں نہیں

مجبوراً اُنھیں تسلیم کرنا پڑا۔
جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ اُبھرتا اگر حضرت بی بی عائشہ کی روایتوں کا انضباط نہ ہوتا چونکہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصہ لے چکی تھیں اور آپ کا ایک مخالف گروہ خلیفہ ثالث ہی کے وقت سے پیدا ہوگیا تھا اس لئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا جب اُس نے دیکھا کہ احادیث نبوی کا ایک دفتر منضبط ہوگیا ہے تو اُس نے بھی ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرأت کی اور آخر ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کرکے ائمہ پاک کے مبارک ناموں سے اُسے مرتب کیا۔ کیونکہ پہلے دفتر میں ائمہ پاک کے اقوال یا اُنکی روایتیں رہ گئی تھیں اور پھر اُنکی اس بُری طرح سے ترتیب دی گئی کہ اور وہ زندہ ہوتے تو کبھی بھی پسند نہ کرتے۔

ہزاروں الزامات ہیں جو ان ہی فرضی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں مگر اُن الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپنے ایک راز حضور انور پیغمبر کا افشا کر دیا تھا اُس سے آنحضرت کو بہت ہی صدمہ ہوا تھا اور آپنے ۲۲ روز اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی اور اس راز کے افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصراحت آگیا ہے اور مفسرین نے اس راز والی آیت کے عجیب وغریب معنے بیان کئے ہیں جن سے آیت کے نفس مطلب کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ماریہ قبطیہ حرم رسول کریم اور حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک روایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا اُس آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو موقع ہاتھ لگا اُنھوں نے فوراً اُسے رنگ آمیزی کرکے شائع کر دیا اور دور از کار توضیحات سے رسول کریم کی شان میں ہزاروں نا ملائم الفاظ کہدیئے اور اپنی اُس بزدلانہ عقلمندی پر خوب ہی بغلیں بجائیں۔ مسلمان فی الحقیقت اُس آیت ہی کو نہیں سمجھے اور نہ اُنھوں نے اُس کے اصلی معنوں پر غور کیا اور نہ خدائے تعالیٰ کی مرضی کی اُس میں جستجو کی۔ کسی نے کچھ اُس کے معنی لکھے اور کسی نے کچھ مگر سب نے اٹکل سے تفسیر کی ہے اور محض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آغاز سنین ہجری سے مشہور چلا آتا تھا سب

اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول ٹھہراکے وہ نئے نئے معنی اسے پہنائے ہیں کہ جس کا سر نہ پیر اور عجیب تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی قصہ اور اسی میں اختلاف کوئی راوی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ۔ جب خاص ایک ہی واقعہ میں اختلاف ہے پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ سچا ہوگا۔ جس آیت پر مفسروں نے مغالطہ کھایا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے۔ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلمّا نبأت بہ و اظہرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباءھا بہ قالت من انباک ہذا قال نبانی العلیم الخبیر یعنی اُسوقت جب پیغمبر نے اپنی بعض ازواج سے کوئی بات خفیہ یا رازدارانہ کہی پس اُس عورت نے وہ راز افشا کردیا اور آپ کو خدائے تعالیٰ نے اُسکی خبر دیدی اور آپ نے اُن میں سے بعض سے اعراض کیا اور پھر آپ سے اُس عورت نے پوچھا کہ تجھے کہاں سے خبر ہوئی آپ نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی ہے۔ اس راز سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ جس کا سر نہ پیر خیر ہم اُس حکایت کو تو پیچھے نقل کریں گے۔ پہلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کہی تھی اور وہ اُس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسرے سے ذکر کردی اور بس سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں ہے اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کردیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا۔ یہ بات فی الحقیقت غور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھ میں نہیں آئیگی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح بھی مردوں کے برابر منظور تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب مردوں کی ناقدردانی سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ جاتے رہیں آپ نے ہزاروں صورتیں اُنکی اصلاح کی نکالی تھیں اور خداوند تعالےٰ کی یہ مرضی ٹھیر چکی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو۔ جن بی بیوں سے آپنے نکاح کیا تھا اور متعدد نکاحوں سے آپ کی یہ غرض تھی کہ ان ہی کے ذریعے سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہوگا وہ بیبیاں اُسی آب وہوا اور ملک کی رہنے والی تھیں جس میں عورتوں کی نفرت کا زہر ملا ہوا تھا اور بات بھی یہ تھی کہ عورتوں کے ظلم سہتے سہتے اخلاق بھی بہت بگڑ گئے تھے اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتدا سے کسی پر جا و بیجا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا۔

تو ضرور اس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی ان جیسی عورتوں سے تو آپ کو سابقہ پڑا اور
آپ نے اُن ہی کے ذریعہ سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اُس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی
تھی جب تک خود وہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہو جاتیں یہ ایک بڑا ضروری امر تھا۔ آپ نے انھیں تعلیم دینی
شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جسمانی معاشرت اور روحانی صفات کا انھیں بتایا کہ راز داری
کیسی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور راز داری سے کس قدر فوائد ہیں۔ شوہر اور زوجہ میں اتحاد قائم ہونے
اور بی بی کی وقعت شوہر کی نظروں سے ہونے کی پہلی سیڑھی راز داری ہے۔ آپ نے ممکن ہے
کوئی معمولی بات فرمائی ہو اور تاکید کر دی ہو کہ دوسری بی بی سے ذکر نہ کرنا اور اُنھوں نے اپنی عادت
مستمرہ کے مطابق ذکر کر دیا ہو اور پھر اُس کے راز کے افشا کرنے پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے
اعتراض نازل ہوا کہ ایسا کرنا زیبا نہ تھا یہ گویا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات کو دیگئی اور اصل
یہ ہے کہ راز داری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم ہو بھی نہیں سکتی چونکہ عورتوں کی معاشرت
ابتدا سے بہت ہی کمزور ہو گئی تھی اور اُنکے دل بھی نہایت کمزور تھے اور راز کو افشا کرنیکا عیب اگرچہ
مردوں میں زیادہ ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہارا نہیں ہوتی اور وہ محض اپنی سادہ لوحی سے اپنی
ہمجولیوں سے کہدیتی ہیں اور اس سے فساد کا بہت بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے لازم تھا کہ
اسکی بابت تاکید کیجاتی اور جس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پیرایہ
بہتر بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر اُمہات المؤمنین کو فرمایش نہ کیجاتی تو اس کا زیادہ
اثر مومنوں کی مستورات پر نہ پڑتا۔ ہر خاتون سمجھ لیگی کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج
پاک پر یہ خفگی ہوئی تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اس کمزور فطرت
پر لگایا گیا ہے جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی تھیں اور انھیں ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ ظاہر النظروں سے
دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا
عیب انسان میں اور ہو نہیں سکتا کہ ایک کا راز دوسرے سے کھولدے اور منع کرنے پر بھی باز
نہ آئے دنیا کے تمام کاموں کا دار و مدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے۔ جس کام کا
راز چھپا ہوا ہے وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا پھر اُس کا قیام محال ہو جائیگا۔ چھوٹے
کاموں سے لیکے سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام

کی بنا راز ہی پر سمجھنی چاہیے کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ ہونے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھلجائے تو اسکی بنیادیں ہلجائیں اور پھر وہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے۔ یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی جو رسول کریم نے اپنی ازواج پاک کے پردے میں عورتوں کو دی۔ اب یہ کھوج لگانا کہ وہ کیا راز تھا عبث ہے۔ اس راز کے دریافت کرنے میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسول کریم نے بھی بیان نہیں فرمایا پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اُس میں جد وجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضایع کریں۔ اگر فرض کرو ہمیں راز کا کھوج لگ گیا تو کیا فائدہ ہوا نہ کھوج لگا اور ہمنے اپنے قیاس سے خود بخود سمجھ لیا اور وہ نہوا تو ہماری عاقبت خراب ہوئی۔

غور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر اُتاری گئی ہے وہ انتہا درجہ نازیبا ہے اپنے خانگی حالات کو جب پیغمبر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صداقت جتانے کے لئے اُن روایتوں کی جن کے حقیقی راوی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی۔ سمجھنے کی بات ہے جب رسول کریم نے مرد ہوکے زن وشوئی کے تعلقات نہیں بیان کئے تو امہات المؤمنین عورتیں ہوکے کیونکر بیان کرتیں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح بھی ہو ہم مانتے ہیں کہ کم وبیش کل محدثوں مفسروں اور مورخوں نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کرلیا ہے جو ازواج پاک کی زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جبکہ اُن کا اختلاف عظیم خود اُن کے سرتاپا غلط ہونیکی شہادت دے رہا ہے۔ مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال ہے اُسے ایک سنی کیوں نہیں مانتے اور جو کچھ سنیوں نے قلمبند کیا ہے اُسے کیوں نہیں تسلیم کرتے اور جو کچھ خارجی کہتے ہیں اُسے یہ دونوں فریق کیوں نہیں قبول کرتے اس کا جواب غالباً یہی دیا جائیگا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی روایات کو غلط سمجھتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جو ذریعہ اُن روایات کا اُنکے ملا ہے وہی سراسر غلط ہے ثبوت ہر فریق کے پاس موجود ہے مگر ایک فریق کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہوسکتا مثلاً شیعہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت

بی بی عائشہ نبی کریم کی دشمن تھیں اور انھوں نے بی بی حفصہ سے مشورہ کرکے کئی بار رسول
کریم کو زہر دینے کا قصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے اُنکی آرزو دل کی دل ہی میں رہی
سنی اس واقعہ سے محض انکار کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو رسول کریم
سے کیسی محبت تھی اور آپ اُن پر کسقدر مہربان تھے یہانتک جب آپ پر مرض کا زور ہوا
ہے آپ ہی کے مبارک حجرہ میں آپ کو وصال باری تعالی ہوا۔ اب ایک محقق شخص جب ان
دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو اسنے کیا نتیجہ نکالیگا اور کس کو صحیح اور کسکو غلط بتائیگا۔
اُسے فی الحقیقت بہت ہی بڑی دقت ہوگی اور جب وہ دونوں کے ثبوتوں کو دیکھے گا تو اُسے
اور بھی پریشانی ہوگی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب سمجھے اور کیا رائے قایم کرے۔ یہی اس وقت
ہماری کیفیت ہے اور ہم سخت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیونکر تسلیم کرلیں۔ ہر فریق نے اپنا
دعوے مضبوط کرنے کے لئے خود اُن ہی کی زبانی اقوال بیان کئے ہیں تاکہ سننے والے کو
پھر کچھ شبہ ہی نہ رہے اور وہ بے چون وچرا یقین کرلے۔ مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر
فریقین کی مخالفت سے پیدا ہوگئے ہیں ورنہ اُن کے منضبط ہونیکی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ ہم
نہیں کہتے کہ ایسی روایتوں کا دفتر دریا بُرد کر دینے کے قابل ہے بلکہ جو ہمارا منشا رہے وہ یہ ہے
صحیح اور اصلی اقوال بھی ضرور ہونگے مگر غلط واقعات اور صریح اتہامات بہت ہیں جسے عقل کبھی
گوارا نہیں کرتی اور ہرگز نہیں خیال آتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو اور ایک جلیل القدر نبی ایسا فعل کرے
جو بعض معمولی آدمی کی وضع کے بھی خلاف ہو مثلاً اسی اوپر والی بحث کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ
نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا اس کی نسبت مجمع البیان طبری میں جو شیعی گروہ کی بڑی معتبر
قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے لو قیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم الایام بین النسا
فلما کان یوم حفصہ۔ قالت یا رسول اللہ ان لی الی ابی حاجة فاذن لی ان ازورہ فاذن لها فلما خرجت
ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی جاریته ماریة القبطیة ام ابراهیم وقد کان
اهداها المقوقس فادخلها بیت حفصة فوقع علیها فاتت حفصة فوجدت الباب مغلقا
فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووجهه یقطر عرقا فقالت
حفصة انما اذنت لی من اجل هذا ادخلت امتك بیتی ثم وقعت علیها فی یومی وعلی فراشی

فارأیت فی حرمة وحقاً فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیس ھی جاریتی قد احل اللہ ذلک لی
اسکتی وھی حرام علی النفس بذلک رضاک ولا تخبری بذلک امرأة منھن وھو عندک امانة
فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرعت حفصة الجدار الذی بینھا وبین عائشة
فقالت الا ابشرک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد حرم علیہ امتہ ماریة وقد
اراحنا اللہ منھا واخبرت عائشة بما رأت وکانتا متصافیتین متظاھرتین علی سائر ازواجہ
فنزلت یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک فاعتزل نساءہ تسعة وعشرین یوما وقعد فی
مشربة ام ابراھیم ماریة حتی نزلت آیة التخییر وقیل ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلا
یوم عائشة مع جاریة القبطیة فوقفت حفصة علی ذلک فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم لا تعلمی عائشة بذلک وحرم ماریة علی نفسہ فاعلمت حفصة عائشة
واستکتمتھا ایاہ فاطلع اللہ نبیہ علی ذلک وھو قولہ تعالی واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ
حدیثا یعنی حفصة ولما حرم ماریة القبطیة اخبر حفصة انہ یملک من بعدہ ابوبکر وعمر
یملکان بعدی وقریب من ذلک ما رواہ العیاشی بالاسناد عن عبداللہ بن عطاء المکی
عن ابی جعفر علیہ السلام الا انہ زاد فی ذلک ان کل واحد منھما حدثت اباھا بذلک
فعاتبھما فی امر ماریة وما افشتا علیہ من ذلک واعرض ان یعاتبھما فی الامر الاخر انتھی
یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بی بیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں جس دن حضرت
بی بی حفصہ کی باری تھی انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے
اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں آپ نے اجازت دیدی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں
تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا
بلوایا وہ آئی اور آپنے اُس سے مقاربت کی پھر حفصہ آگئیں تو انھوں نے دروازہ کو بند
دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے ہو بیٹھیں پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپکے مبارک چہرہ سے
پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل
کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا
حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ خدائے تعالی نے میرے لئے حلال کی ہے

مگر تو خاموش رہ کہ میں اسے آئندہ سے اپنے اوپر حرام کرلیتا ہوں۔ میں صرف تیری رضامندی چاہتا ہوں تو اور بی بیوں سے اسکی خبر نہ کیجو یہ بات تیرے پاس امانت ہے جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کرکے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آئندہ سے حرام کرلیا ہے خدا نے ہمیں اُسکے فکر سے نجات دی۔ اس کے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اسکی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم بڑی دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ای نبی جو چیز خدا نے تجھپر حلال کردی ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کردی۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بی بیوں سے صحبت ترک کردی اور ماریہ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالاخانہ پر رہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرمارہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اس کا تذکرہ نہ کیجو میں نے ماریہ کو اپنے اُوپر حرام کرلیا ہے لیکن بی بی حفصہ نے کہدیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کردی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر خدائے تعالی نے رسول کریم کو اُس پر مطلع کردیا پھر یہ آیت نازل ہوئی واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصہ۔ اور جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اُوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہونگے۔ بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبداللہ بن عطاء المکی ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بی بیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جوں ہی رسول کریم کو اسکی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چونکہ اُنھوں نے رسول کریم کا راز افشا کردیا تھا اُس سے آپنے اعراض کیا وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چپیکا گیا ہے۔ اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے

سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ میں آئے کیونکہ اُس دن انکی باری تھی پھر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں خیال نہیں ہو سکتا کہ خاص اُسی دن انھیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن ان کی باری آتی تھی اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن انھیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کے بلایا ہوتا کہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلایا جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جا سکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب تھا کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا اور اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپنے اُس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اسقدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ بھی فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجو۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ نہ اُنکے حجرہ میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُنکے باری کے روز ایسا ہوا پھر اُنسے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا یہ اسقدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا کسقدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لئے آپ نے منع فرمایا تاہم تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لئے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کیجاتی ہے آج آپ نے اپنے اوپر حرام کرلیا یا دوسرے الفاظ میں اُسے چھوڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی

روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت
لکھی گئی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہمنے تجھپر حلال کر رکھا ہے تو اُسے اپنے اوپر
کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا مازوالی آیت کے اُترنے سے آپ
ناراض ہو گئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج کی یا ان دو بی بیوں کی صورت نہیں دیکھی
اور ماریہ قبطیہ کے بر آمدہ یا بالاخانہ میں سکونت پذیر رہے یہ بھی عجیب مضمون ہے جسکا
سر نہ پیر پہلے تو آپ کو اسقدر خوف زدہ بنایا کہ جسکی انتہا نہیں یعنے آپ کو یہ خوف ہوا کہ
اپنی حرم اپنے اوپر حرام بھی کر لی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کر لیا کہ میرے بعد
ابو بکر و عمر خلیفہ ہونگے اور دلیری ہوئی تو اسقدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالاخانہ میں رہے
اور کسی دوسرے سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی منہ سے
نکالتی اور ذرا بھی زبان ہلاتی خیال ہوسکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرأت کی یہ کیفیت تھی کہ
آپ کسی بی بی کی پروا نکرتے تھے اور ایک ہی کے پاس ہمیشہ ہمیشہ بسر کر رہتے تھے پھر
آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈرکے مارے اپنی چاہیتی ماریہ
قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور انھیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کیلئے حضرت
ابو بکر او حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے۔

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوئی۔ دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں
بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپنے منع کیا تھا کہ
عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ حجرہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے
ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ
رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں اُنکے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر
حرام کر لیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ اُن کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا پھر خوف
کھلانے کے کیا معنے تھے۔ دوسرے حضرت بی بی عائشہ کی باری کے دن بی بی حفصہ
کا اُنکے حجرہ میں چلا جانا بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ
میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں جبکہ اسلام میں پردہ ہو گیا تھا اور قرآن مجید میں صاف آگیا

تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر ہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئیں تھیں تو حضرت ابوبکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں جا سکتی تھیں جس دن جا سکتی تھیں اور اگر یہ کہیں کہ روزانہ کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالاخانہ بُرا اور رہنے کے قابل نہ تھا اس لئے آپ وہاں تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لیکے چلے آئے۔

ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہو سکتی ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ شمہ برابر بھی صحیح ہوں جس شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تھا بھی بہت کم عقل کہ اس نے مذکورہ بالا توجیہات پر ذرا بھی غور نہ کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کا نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے جبکہ خود رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عباسی ہوں یا مکی۔ شامی ہوں یا مدنی۔ جس نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں بو سے اسلام مطلق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبرسی میں یہ روایت کیونکر نقل ہوئی کیونکہ وہ شیعی مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایتوں میں وہی مخالفت کی بو آتی ہے جو ابتدائی سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہو گئی تھی اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اُسی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اسی قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتیں کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اول مخالفت ملکی تھی مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہو گئی اور اس سے موضوع روایات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ بہتان اُٹھانا اور انھیں بہرصورت ملزم بنانا بلکہ انھیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو اعظم بن گیا قرآن مجید کی آیتوں کو خاص ایک امر کے لئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو گیا تھا۔

کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ایسی نہیں بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا

پڑے اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی بالکل خلاف ہیں اور ان میں ایرانی
تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے کیونکہ اکثر راوی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے
کہ وہ راوی مسلمان بھی تھے یا نہیں - عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے
نانا کے خانگی تعلقات عام طور پر بیان کرینگے اور اُنھیں ذرا بھی حجاب نہ آئیگا - ایسی
روایتوں سے اسلام کا بھی تو کوئی خاص اُصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص اُلجھے ہوئے
مسئلہ کی توضیح ہوتی تھی حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہلبیت کے چراغ
تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا اُس کی صداقت میں پھر کسی طرح
بھی کلام نہیں ہوسکتا تھا - آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے اور جو مخالفت
سے بالکل متاثر ہو رہے تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں یہی وجہ ہے کہ جب بخاریؒ نے کئی لاکھ
حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اس نے اہلبیت کی روایتوں پر زیادہ نظر نہیں کی اسکی وجہ یہی ہے
کہ اُسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا جو اہلبیت کی تو نہ تھیں مگر اُنکے نام سے رواج پا گئی
تھیں اگرچہ اس وقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں لیکن ان کی
اشاعت فریق مخالف میں پورے طور پر ہوگئی تھی اُس نے کوشش تو ضرور کی ہوگی کہ ان
صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی اُنکی ہوسکتی ہیں مگر ایک مخالف گروہ کی مخالفت کے طوفان
بے تمیزی کے آگے اُسکی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور اخیر اس دفتر بے پایاں سے اُس نے
اپنا پہلو بچایا - اور اس الزام کو کہ بخاری نے اہلبیت کی روایتوں سے گریز کی ہے اس نے
اپنے اوپر ہمیشہ کے لئے لینا قبول کیا مگر اپنی کتاب میں زیادہ غلطیوں کا انبار لگانا اچھا نہ جانا
اسی بنا پر اُس نے خاندان بنی امیہ کی روایتوں کو نہیں لیا اور اگر ایک دو روایتیں بیان بھی
کی ہیں تو وہ بھی معمولی طور پر کیونکہ بنو اُمیہ میں بھی وہی کشش پائی جاتی تھی جو فریق مخالف
میں تھی - اور یہ بھی بہت بڑی وجہ ہوئی کہ جب بخاری ترتیب دیگئی ہے بنو امیہ کا خاندان
برباد ہو چکا تھا - اور بنو عباس کے عروج سلطنت میں بنی امیہ کا نام لینا بہت بڑا جرم خیال
کیا جاتا تھا - جب بخاری کی ترتیب ہو چکی ہے تو اُسکی پوری نصف صدی بعد ان روایتوں کی
ترتیب ہوئی جو مجمع البیان طبرسی اور کلینی وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں - یہ کبھی نہیں کہا

جاسکتا کہ جتنی روایتوں کی ان یا ان جیسی کتب میں ترتیب ہوئی ہے وہ سب کی سب غلط ہوں
نہیں بلکہ اُن میں بہت سی روایتیں صحیح بھی ہونگی مگر کوئی محک ان کے پرکھنے کی ہمارے
پاس نہیں ہے اسی طرح سنیوں کی روایتوں کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے تاہم درایت
سے ہر ایک روایت کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے محقق کو سخت جانکاہی
کے بعد بھی کامیابی ضرور ہوسکتی ہے اسمار الرجال کا علم اسقدر ہماری مدد ضرور کرسکتا ہے کہ
درایت سے جانچنے میں وہ ہمارا رہنما بنے اور اُن وقتوں کو دور کرے جو ہمیشہ ایسی حالت میں
آکے حائل ہوجایا کرتی ہیں اور اگر صرف اسمار الرجال پر تکیہ کرلیں گے تو ہمیں سخت سخت مشکلات
کا سامنا ہوگا اور پھر ہمیں اسمار الرجال کے ساتھ تواریخ کا ایک عظیم دفتر ترتیب دینا پڑیگا۔
مثلاً اسمار الرجال نے ایک راوی کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونیکی شہادت دی مگر مشکل تو یہ ہے کہ
ہمارے پاس اُس شخص کے کامل سوانح عمری کہاں ہیں جسے ہم ثقہ اور غیر ثقہ کہتے ہیں نہ اسکی
کارنمایاں کی ہمیں خبر ہے اور نہ ہم اُس کے حالات سے کماینبغی واقف ہیں اور نہ یہ بتا سکتے
ہیں کہ وہ جس بادشاہ کے زمانہ تھا معاملات سیاسی کا اُس پر کتنا اثر پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کے
کس گروہ کا مذاق زیادہ رکھتا تھا اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام کے واقعات زندگی
بہت کچھ بیان ہوئے ہیں ابن خلکان نے ایک حد تک اس معاملہ میں پوری کامیابی حاصل
کی ہے اور کشف الظنون نے علمار کی تصانیف کی تحقیق میں بڑی حد تک اسلام کی قابل
تعریف خدمت انجام دی ہے مگر پھر بھی راوی کے واقعات زندگی کی سچی تصویر اُتارنے میں
مصنف قاصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں اسمار الرجال کے مرتب ہونیکے بعد
بھی سخت اختلاف رہا ہے کوئی اصلی معیار روایت کے پرکھنے کی نہ شیعہ نکال سکے نہ سنی
اور نہ خارجی نہ معتزلی سب ہی اس میں قاصر رہے اور سب ہی نے اس میں ناکامی اُٹھائی
اگر واقعی کوئی معیار نکل آتی تو شیعہ سنی کا مہیب جھگڑا قطعی اُٹھ جاتا اور یہ فروعی اختلاف
جس نے اُصول کا جامہ پہن لیا ہے بالکل جاتا رہتا۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے
کہ روایتوں اور حدیثوں کا سارا دفتر ردی اور ناقابل تسلیم ہے بلکہ میرا اصلی منشا یہ ہے کہ کھری
کھوٹی روایتوں کی اتنا چھاننے کے بعد بھی امیزش چلی آتی ہے اور کسی زمانہ میں بھی دودھ کا

دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں ہو سکا۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اُس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں امر مسنون ہے اور جس نے ادا کیا اُس نے ابوالقاسم (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور اسکے بعد اُس صحابی کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے بطور نص کے ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا تھا اور اگر بطور نص کے بھی تسلیم کیا جائے تو یہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ بیشک اُس صحابی کا قول ہے جسکے نام سے روایت کیا گیا ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی روایت میں جب راویوں کا اختلاف ہو اور وہ تمام راوی ثقاہت حفظ۔ کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اُس اختلافی روایت کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہوں۔

عام راوی ہمیشہ روایت میں اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے مگر عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ ایک ہی لفظ جب کئی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کی معمولی شکل بدلنے سے دوسرے الفاظ آجاتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ الفاظ کا سننے ایک ہی مفہوم سمجھا ہو اور پھر اُس بیان کردہ مفہوم کو سننے والے نے اُن ہی معنی میں لیا ہو جو معنی قائل کے ذہن میں تھے۔ عام طور پر راویوں نے کبھی زوائد اور حواشی کا مطلق خیال نہیں کیا ہے خواہ وہ راوی سنی ہو یا شیعہ خارجی ہوں یا رافضی سب کی ایک ہی کیفیت رہی اور زوائد سے کسی نے بھی پہلو بچانے کی کوشش نہیں کی جب یہ مسلمہ امر ہو گیا تو محدثوں یا احادیث نبویہ کے جانچنے والوں نے یہ اُصول مقرر کیا ہے کہ راویوں میں سے جو راوی ثقہ ہوگا اور اُس قصہ اور واقعہ سے خوب واقف ہوگا اُسی کو اختیار کریں اور اگر ثقہ راوی کے قول میں ضبط کا اہتمام بھی زیادہ ہوگا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ وثب کا لفظ وارد ہوا ہے قام کا اور

"اقاض علی جولا، المبارک" آیا ہے نہ اغتسل تو اُسے بھی اختیار کرلیں گے اور اگر حدیث کی روایت میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہوگا اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہونگے اور کوئی مرجح نہ ہوگا تو وہ تمام خصوصیتیں مختلف فیہا لغو ہوں گی۔

ہم نے روایتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہمارا خیال ہے اس سے کوئی فہمیدہ شخص انکار نہیں کرسکتا ہم اصول سے بحث کرتے ہیں اور ہماری بحث میں کہیں کوئی کم زور یا خیالی بات نہیں ہونے کی۔ جن روایتوں میں صحابہ کا بہت بڑا اختلاف ہے اور جن روایتوں میں کہ راوی باوجود ثقہ ہونے کے مختلف ہیں سمجھ لو کہ وہ روایتیں ہی سرے سے سراسر لغو ہیں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ صحابہ آپ کا کسقدر ادب کرتے تھے اور صحابہ نے آپ سے کبھی فرائض کے متعلق بھی کوئی مسئلہ بار بار دریافت نہیں کیا سب با ادب حاضر ہوتے تھے اور ارشاد نبوی پر کان لگا کے متوجہ ہو جاتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ رسول اللہ کے خانگی امور کے متعلق کچھ دریافت کرتا اور آپ اُس کا جواب دیتے نہ آپ ایسا کرسکتے تھے کہ اپنے ذاتی اور خانگی حالات بلا سبب صحابہ کے آگے بیان فرماتے نہ وہاں کسی مسئلہ پر بحث تھی اور نہ تکرار تھی اور ایک عجیب سادہ مذہب تھا خدا کو ایک مانو اور محمد کو اُس کا برحق نبی جانو روز آخرت پر ایمان رکھو نماز پڑھو زکوٰۃ دو سال بھر میں ایک مہینہ روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو تمام عمر میں ایکبار حج بیت اللہ کر آؤ اور بس نہ یہ روایتوں کا طوفان تھا اور نہ فقہی مین میگ نکلتی تھی اور جس طرح بعد ازاں روایتوں کی کثرت ہوگئی اور فقہا کی بحثوں کے ابواب کھل گئے ایک بات بھی نہ تھی راویوں کی تو یہ کیفیت تھی جو ہمنے اوپر مختصراً کچھ بیان کی فقہا کی سن لیجئے اُنھوں نے نئی نئی صورتیں فرض کیں اور اُن ہی مفروضہ صورتوں پر گفتگو کی اور جہانتک ہوا محض اپنی ذاتی رائے سے اُنھیں طول دیا اور وہ باریک مسائل نکالے کہ جو کبھی خیال میں بھی نہ آسکتے تھے۔ چونکہ اُنھوں نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دیا تھا اس لئے اختلاف ہوا اور اختلاف بھی اسقدر کہ کوئی انقطاعی فیصلہ کسی بات میں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

حضور انور کی تعلیم عجیب و غریب تھی۔ دو ہی لفظ کہنے کا اثر صحابہ پر اسقدر پڑتا تھا کہ وہ معمولی

باتوں کے دریافت کرنے میں حضور انور کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور بات بھی یہ تھی
کہ اس جلیل القدر شہنشاہ کے سامنے کسی کی مجال تھی جو کوئی بات بھی بلا ضرورت اور
بے ادبی کی نکال سکتا ۔ صحابہ اور رسول کریم کا برتاؤ یہ تھا کہ صحابہ جسطرح وضو کرتے
ہوئے دیکھتے تھے اُسی طرح آپ بھی کرنے لگتے تھے آنحضرت نے کبھی اسکی
تشریح نہیں فرمائی کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے اسی طرح حضور انور نماز
پڑھتے تھے اور صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتا دیکھتے تھے پڑھنے لگتے تھے حضور انور نے
حج کیا اور صحابہ نے بھی اسیطرح اعمال حج ادا کئے کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور انور سے سوال
کرتا اور رکن و مستحب کی بابت دریافت کرتا نہ خود آنحضرت کو ان مسائل کے سمجھانے کی
کوئی ضرورت تھی یہ ساری باتیں معاشرت سے تعلق رکھتی تھیں اور نفس مذہب سے انھیں کچھ
بھی تعلق نہ تھا اگرچہ فقہا نے انھیں کھینچ تان کے مذہبی جامہ پہنا دیا ہے مگر ٹھیٹھ اسلام
اس سے بالکل مبرا ہے اور اس نے ایسی باریکیوں اور بے مزا پیچیدگیوں کو کبھی وقعت
کی نظر سے نہیں دیکھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اسکی تشریح نہیں فرمائی کہ وضو
کے فرائض تین ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص
بغیر سوالات کے وضو کرلے اور اس وقت وضو رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے الا ماشاء
اللہ ۔ صحابہ اس قسم کے فضول امور کبھی دریافت ہی نکرتے تھے ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس
فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں
پایا اُنھوں نے حضور انور سے وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے ہیں جو قرآن
میں مذکور ہیں ۔ اُن مسائل میں سے یہ ہیں کہ تجھسے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت
کرتے ہیں کہدے اُس مہینے میں لڑنا برا ہے وَیَسْئَلُونَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ
قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ اور تجھسے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں ویسئلونک عن المحیض۔
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی اُمور دریافت کرتے تھے جو مفید ہوں حضرت
عبد اللہ ابن عمر کا قول ہے وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی ہوتے نہ ہوں اس لئے میں
نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ خدا اُس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت

کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو
جن کو ہم نہ دریافت کرتے تھے اور ہم نے ایسے امور کی تفتیش نہیں کی۔ تم وہ امور دریافت
کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم نہیں جانتے تو اُن کا چھپانا کسی
طرح بھی جائز نہ تھا۔ عمر بن اسحٰق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ملا ہوں ان کی تعداد اُن سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے تھے میں نے کسی قوم
کو ایسا نہیں پایا جس کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن نسیر کندی سے
روایت ہے اُن سے اُس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مر گئی تھی اس کا
کوئی ولی نہ تھا۔ اُنھوں نے بیان کیا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمھاری طرح سختی
نہیں کیا کرتے تھے نہ تمھارے ان مسائل کو وہ دریافت کرتے تھے (یہ تمام آثار دارمی
نے روایت کئے ہیں) دارمی کے ان تمام آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ
میں ہی لوگوں میں غیر ضروری باتوں کے دریافت کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور صحابہ
راشدین اس مہلک بیماری کو روکنے کے لئے سخت کارروائی کرتے تھے۔ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص پر لعنت کرنا کہ جو وہ امور دریافت کرے جو ابھی وقوع میں نہ
آئے ہوں اُن غلط روایات کی اشاعت پر ایک تازیانہ ہے جنکی سلسلہ جنبانی شروع
ہو گئی تھی۔ سمجھنے کی بات ہے جب خلفا کے وقت میں فضول اور غیر ضروری امور میں جستجو
ہونے لگی تھی پھر بعد میں کیا خیال ہو سکتا ہے کہ کیسی آفت برپا ہوئی ہوگی جب تک صحابہ
زندہ رہے انھوں نے بہت تشدد سے اس قسم کے خیالات کو روکا اور ہمیشہ ایسے لوگوں
کی برائی کی جو غیر ضروری باتیں دریافت کرتے تھے اور خواہ مخواہ فرضی مسائل میں رد و کد
ہوتی تھی اور جب صحابہ کی وفات ہو گئی اور کوئی صحابہ زندہ نہیں رہا تو غلط روایات کا طوفان
چاروں طرف سے اُٹھا اور وہ خمسہ طبایع جو صحابہ کے رعب سے رکی ہوئی تھیں یکایک
اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور اُنھوں نے اپنے قدیم شوق کو پورا کیا پھر کیا تھا لاکھوں حدیثیں
بن گئیں اور ہزاروں غلط روایات کی ان میں آمیزش ہو گئی۔ خارجیوں نے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ اور آپکے صاحبزادوں کی نسبت ایسی ایسی روایتیں گھڑیں جن کا سر نہ پیر اور

وہ وہ طوفان اُٹھائے کہ العظمۃ للہ یہانتک آپکی شان اقدس واطہر میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کو جزو ایمان قرار دیدیا۔ اسی طرح ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا جس نے اُس فریق کے جواب میں اصحابہ ثلاثہ پر وہ وہ نا ملائم الزام لگائے کہ مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھادیا جو باتیں عقل اور نقل کے بالکل خلاف ہوں اور جو ایک سمجھدار بچہ کی بھی سمجھ میں نہ آئیں وہ اُنکے سر چپکی گئیں اور مبالغہ کی انتہا کو یہانتک پہنچایا کہ اصحاب ثلاثہ کی وفات کے بعد اُنکی کیفیت بیان کردی اور عالم ارواح کے رازوں کو جنھیں کوئی نہیں کھول سکا ہے اپنی فسانہ پسند طبائع کے زور سے آنکھوں سے دکھادیا۔ اگر کاش اسی پر قناعت کی جاتی کہ اُن کی زندگی ہی کے واقعات بیان کئے جاتے اور خواہ کچھ ہی اُنکی نسبت کیوں نہ کہا جاتا مگر بعد از مرگ کی حالت سے بحث نہ ہوتی تو بھی چنداں شکایت کی بات نہ تھی وہاں تو یہ غضب ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے اُن پر سب وشتم رہا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس بات کا تماشہ دکھایا کہ اُن پر کیا گزر رہی ہے۔

اگرچہ میں اصل مطلب سے بہت دور ہٹ گیا ہوں پھر بھی میں نمونتاً ایک حکایت بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ہماری روایتوں میں مشرقی فسانہ کا رنگ کسقدر رہے اور جن لوگوں نے یہ روایتیں گھڑی ہیں اُنکا دماغ کس قسم کا تھا اور وہ کس فطرت کے تھے۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے یعنے آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن شام کو جو سیر کرنے نکلا تو سیر اگزر ایک وادی میں ہوا میں نے دور کی ایک پہاڑی میں دھواں اُٹھتا ہوا دیکھا اور پھر میں نے نالہ و بکاکی آوازیں سنیں جب میں قریب گیا تو میں نے سُنا کہ عمر اور ابوبکر پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور یہ آگ اُن ہی کیلئے روشن کی گئی ہے اتنے میں میں نے انھیں ایک جلتی ہوئی پہاڑی پر کودتا ہوا دیکھا اُن دونوں نے میری صورت دیکھ کے مجھسے طلب آمرزش کی میں نے کہا تمھاری سزا یہی ہے تم اسیطرح رہو" یہ روایتیں ہیں جو نہایت وثوق سے بیان کی جاتی ہیں اور یہ واقعات ہیں جنھیں مثل کلام خدا کے یقین کیا جاتا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت امام حسین

علیہ السلام کے ہاتھ سے کھانے کا طباق چھین لینا اور حضرت جبرائیل کا ہزار ہا بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پھیرے کرنا اور بھولے سے وحی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدینا یہ روایتیں ہیں جو مخالف فریق میں بنائے مذہب سمجھی جاتی ہیں اور اُن کا منکر یا اُن میں شبہ کرنے والا کافر گنا جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی تھا جو برپا تھا اور یہ غضب تھا جو اسلامی دنیا میں ہو رہا تھا اس تلخ ترین عداوت پر کب ممکن ہو سکتا ہے کہ جتنی روایتیں پیش کیجاتی ہیں ان میں بمشکل ایک بھی صحیح نکلے ستم ہے کہ ازواج پاک اپنے ان تعلقات کو بیان کریں جو حضور انور کے ساتھ تھے یا حضور انور اپنے ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا اظہار کریں غلط روایات نے فقہ پر بھی پورا اثر ڈالا کیونکہ ہر فقیہ اُس وقت کسی مسئلہ میں اپنی طرف سے اجتہاد کرتا تھا جب اُسے کوئی حدیث نہیں ملتی تھی اور جب اُسے کوئی حدیث مل گئی تو پھر وہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونیکی پرکھ بالکل اُسکی ذاتی تحقیق اور اسکے ذاتی فیصلہ پر موقوف تھی۔ ایسی بہت سی حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جو باہم فقہا میں مختلف فیہ ہیں یعنی ایک فقیہ ان حدیثوں کو صحیح مانتا ہے اور دوسرا غیر صحیح۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تحقیق ہر ایک کی نرالی ہے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا پابند نہیں ہے اب اگر ان تمام فقہا کی مانی ہوئی حدیثوں کو رسول اللہ کے آگے پیش کرنیکی کوئی صورت نکل آئے تو فی ہزار مشکل سے ایک روایت صحیح نکلے گی۔ قرآن کی سادہ تعلیم خود اس بات کی شاہد ہے کہ یہ روایتیں خود تعلیم الٰہی اور کلام الٰہی کی کیسی متناقض آکے واقع ہوئی ہیں اس میں شک نہیں کہ ہمارے علما محض نیک نیت تھے اور جو کچھ اُنھوں نے کیا وہ اسلام کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کیا اور ایسا کیا کہ اسلام ہمیشہ اُن کا ممنون رہے گا مگر ساتھ ہی انسانی کمزوری اور فروگزاشت کی عادت سے بھی وہ مبرّا نہ تھے اور مسلمانوں کا کوئی فریق اپنے علما کو معصوم نہیں تسلیم کرتا ضرور اُن پر اُن لاکھوں روایات کا اثر پڑا جو عام طور پر اسلامی ممالک میں رائج تھیں اور اگرچہ اُنھوں نے نہایت نیک نیتی سے حدیثوں کا انتخاب کیا پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ کسر باقی رہ گئی اور جس کسر کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور بسبب اس کے

کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے انھیں انقطاعی یقین اپنی جمع کردہ احادیث پر نہ تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی وہ حکایت مشہور ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا ہے کہ میں موطا کعبہ کے دروازہ پر لٹکا کے عام حکم دیدیتا ہوں کہ کل مسلمان اسی کو پڑھیں اور اسی پر عمل کریں تو آپنے محض اُس فدائیانہ عشق کی وجہ سے جو آپ اسلام اور بانئے اسلام سے رکھتے تھے یہ منظور نہیں فرمایا اور کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کر ممکن ہے کہ اور لوگوں کے پاس اس سے صحیح زیادہ احادیث پہنچی ہوں اور وہ اُن پر عمل کرتے ہوں مبادا اس کتاب کی اشاعت سے اُنھیں وہ صحیح احادیث ترک کرنی پڑیں۔

یہ شان تھی ہمارے علمائے کرام کی اور یہ نیک نیتی تھی جسکی نظیر کسی قوم کے علماً میں ملنی ممکن نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ انقطاعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی حدیث ہے کیونکہ آپنے خود تو رسول کریم کی زبانی کچھ سنا نہ تھا کہ اس پر یقین ہوتا بلکہ آپ کو راویوں کے ذریعہ سے کچھ پہنچا تھا اسلئے آپ کسی صورت سے بھی کسی ایک حدیث کو قطعی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں کہہ سکتے تھے۔

فقہا بھی بسبب اُس فطری کمزوری کے جو انسان میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہے بہت سے مقامات پر اپنا پہلو ان غلط روایات سے نہیں بچا سکے۔ مثلاً منی کے مسائل میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں اور اس کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں آپ کی شہادتیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہیں کسیطرح بھی پذیرا نہیں ہوسکتیں حضرت بی بی عائشہ کے زمانہ حیات میں بکثرت صحابہ موجود تھے اور جلیل القدر خلفا بھی مدینہ منورہ سے باہر کہیں چلے نہیں گئے تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خلیفہ اور کسی صحابی نے تو منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسائل نہیں بیان کئے اور آپ ہی نے اُسکے پاک ہونیکی نسبت فیصلہ کیا۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمودہ مسعودہ میں قرآن مجید میں ازواج پاک کے پردہ کرنیکا صاف حکم آگیا تھا اور منع کردیا گیا تھا کہ نہ کوئی صحابی درانہ اندر چلا آئے اور نہ کسی بی بی سے بات کرے بلکہ کوئی چیز لینی دینی ہوا کرے تو دروازہ کے باہر کھڑے ہو کے دریافت کرلیا کرے۔ جب قرآن مجید میں یہ حکم آچکا تھا تو بعد وصال

رسول کریم اُس پر پورا عملدرآمد ہونا لازمی تھا اور بیشک ہوا بھی ضرور پھر خیال نہیں ہو سکتا کہ کسی صحابی نے یہ ناپاک مسائل پردہ ہی میں حضرت بی بی عائشہ سے دریافت کئے ہوں اور آپ نے اُس کا ایسا جواب دیا ہو جو فقہ کی کتب میں موجود ہے اور وہ جواب ایسا ہے کہ اُسے نقل کرتے بھی شرم آتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فقہا کو ایسے مسائل کی تنقیح کرنے کی ضرورت پڑی ہو گی لیکن اُنھوں نے اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو قوی بنانے کے لئے اُن غلط مشہور شدہ روایتوں میں سے ایک روایت لے کے پیش کردی ہو جو فریق مخالف ابتدائے سنین ہجری سے مشہور کرتا چلا آیا تھا اور اُنھیں اس روایت کو اپنی تائید میں پیش کرنے میں کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور قطعی اسی طرح سے ہوئیں اور ہماری وجوہات کو دیکھ کے ہر شخص ہماری تائید کریگا کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور اسیطرح استنباط مسائل میں اختلاف ہونا لازمی تھا مگر حدیثوں کی بنا پر جن فقہی مسائل کا دارومدار ہے اُن میں اختلاف ہونا ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ کل روایتوں کو تسلیم کیا گیا تھا۔

عام طور پر ایک سخت غلط فہمی چلی آتی ہے اور کم وبیش اسے سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا اسلام میں ظہور ہوا ہے مگر یہ بات ہرگز نہیں ہے قرآن مجید کبھی اختلاف نہیں ڈال سکتا اگر قرآن مجید کی عبارت میں یہ کیفیت ہوتی کہ اُس سے ہزارہا معنی پیدا ہوتے تو سب سے پہلے قرآنی مسائل میں صحابہ باہم اختلاف کرتے اور کوئی ایک آیت کے کچھ معنی لگاتا اور کوئی کچھ نہیں جہانتک تواتر سے پایا جاتا ہی خلفاء راشدین کے زمانہ تک قرآن مجید کے سمجھنے میں مطلق اختلاف نہیں تھا اور سب اُسکے اصلی معنی سمجھتے تھے مگر جوں جوں روایتوں یا حدیثوں یا آثار کی کثرت ہوئی قرآن مجید کی آیتوں کے معنی میں اختلاف پیدا ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کئی فریق ہو گئے اور انمیں کشیدگی یہانتک بڑھی کہ ایک دوسرے کو جہنمی کہنے لگا۔

کبھی باہم خلفا کی ایسی بحثیں نہیں ہوئیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ایک نے قرآن کی آیت کا کچھ مطلب سمجھا اور دوسرے نے کچھ یہ صحیح ہے کہ باہم مسائل میں گفتگو ہوتی تھی اور طرز گفتگو

بعض اوقات سخت تیز اور جوش آمیز ہو جاتا تھا مگر خاتمہ کلام پر پھر باہم وہی شیر و شکر ہو جاتے تھے اور ذرا بھی اُس جوش کا اثر نہیں رہتا تھا قرآن مجید کی بے تعداد تفاسیر لکھی گئیں اور بہت سی تفسیریں اگرچہ عجیب وغریب ہیں اور قرآن مجید کا اعلیٰ مفہوم ثابت کرتی ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ رنگ اُن روایات کا پایا جاتا ہے جو صحیح ہوں یا غلط عام طور پر مشہور ہوگئیں تھیں مگر بعض تفاسیر تو ایسی ہیں جو سراسر اس رنگ میں رنگی گئی ہیں اور بہت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث سے کی ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر جسکی بنا بالکل احادیث پر ہے اور فاضل مفسر نے اخیر تک حتیٰ الامکان اسی رنگ کو نبھایا ہے اس میں کسیطرح کا بھی شک نہیں ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر ایک اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر اس بات کا کوئی حلف اُٹھا سکتا ہے کہ جن احادیث سے فاضل مفسر نے تفسیر کی ہے وہ اول سے لیکے اخیر تک سب کی سب صحیح ہوں۔ اسی طرح اہلبیت ہے جس میں بہت سی روایتیں اور حدیثیں ائمہ معصومین کی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ آیا ائمہ معصومین کے یہ اقوال ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اور جو حدیثیں اُنکی روایت سے بیان کی جاتی ہیں ان کے راوی وہ فی الحقیقت تھے بھی یا نہیں۔ یہ بڑی دقت ہے جو ہر تفسیر میں پائی جاتی ہے اور یہی پیچیدگی ہے جس کا سلجھانا بڑا کٹھن کام ہے۔

ناظر تفسیر بخوبی سمجھ گیا ہوگا کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے قرآن مجید کا یہ نقص نہیں ہے بلکہ غلط روایات کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے۔ کاش اختلاف رائے یا اختلاف خیال ہوتا تو اُسکی اصلاح آسان تھی مگر جب حدیث اور روایت کی بنا پر تفسیر کی گئی ہے تو فی الحقیقت اس مشکل کو حل کرنا بہت ہی مشکل امر ہے ہم کہتے ہیں اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر شیعوں۔ سنیوں۔ خوارج۔ اور معتزلیوں کی تفسیروں میں کیوں اختلاف ہے اور کیوں نہیں ایک فریق دوسرے فریق کی تفسیروں کو مانتا۔ وجہ نہ ماننے کی یہی ہے کہ ہر فریق نے قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں زیادہ تر روایات کو دخل دیا ہے اور چونکہ ایک فریق سوائے اپنے راویوں کے دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا اسی لئے اس کی قرآنی تفسیر کو بھی نہیں مانتا۔ علماء اسلام نے ایک یہ بھی حدیث بیان

فرمائی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے اسکے معنی سمجھہ میں نہیں آتے کاش حضرت صدیق اکبر یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان غنی یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کوئی قرآنی تفسیر ہوتی اور یہ ثابت بھی ہوجاتا کہ چار خلفا میں سے قطعی ایک خلیفہ کی ہے تو پھر زیادہ چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی اور بیشک اُس وقت ہر مفسر جو انکے علاوہ قران مجید کی اپنی رائے سے کوئی تفسیر لکھتا تو قطعی جہنمی ہوتا کیونکہ خلفا اپنی اپنی تفسیروں میں وہی باتیں درج کرتے جو رسول خدا سے سنی تھیں - اور انھیں اور روایات درج کرنیکا خیال بھی آتا اور ایسی حالت میں اُن کی تفسیر پر جرح وقدح کرنا فی الحقیقت سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہوتی اگرچہ کفر تو جب بھی نہوتا مگر جب یہ بات نہیں ہے اور ان میں سے ایک خلیفہ کی بھی کوئی قرآنی تفسیر موجود نہیں ہے تو پھر سمجھہ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس لئے کسی مفسر کی رائے کو جبکہ وہ نہ معصوم ہے نہ محفوظ ہے نہ اُس پر وحی اُترتی ہے زبردستی تسلیم کیاجائے اور کیوں ہم ایسے شخص کو بددین کہیں جو اُنکی مخالفت کرے - جبکہ قرآن مجید کے اصلی مطلب کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مفسر نے الحمد سے لیکے والناس تک قرآن مجید کا وہی مطلب بیان کیا ہی جو رسول کریم کا اصلی مفہوم تھا -

اس بیان سے یہ کبھی نہیں سمجھا جائے کہ ہمارا منشا کل تفسیروں پر نکتہ چینی کرنے کا ہے اور ہم کل مفسرین کو ناکارہ بتاتے ہیں نہیں یہ ہماری غرض ہرگز نہیں ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مفسروں نے قرآنی دقائق اور نکات کے سمجھانے میں عجیب کمال پیدا کیا ہے تاہم ہر مفسر سے فرو گزاشت ضرور ہو گئی ہے کہیں کہیں مروجہ غلط روایات سے متاثر ہو کے اُس نے قرآن کے اصل منشا کے خلاف لکھدیا ہے اور ایسا ہونا بھی ضرور تھا کیونکہ مفسر بھی اخیر انسان تھے اور انسان کے ساتھ جو کمزوری اور فرو گزاشت لگی ہوئی ہے وہ اسکی کمزور فطرت کی وجہ سے ہے ہر انسان کیساتھ یہ کمزوری لازم وملزوم ہے اور کوئی فرد بشر اس کمزوری سے بچا ہوا نہیں ہے ہم خیال کرتے ہیں کہ اس بیان سے ہم اپنے مطلب سے بہت دور چلے آئے ہیں اور جو کچھ ہمنے احادیث اور روایات کے

بارے میں لکھا ہے غالباً اسی قدر کافی ہوگا چونکہ ہم ایک علیحدہ باب میں اسپر بالتفصیل بحث کرینگے اس لئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں۔

عام طور پر یہ مشہور کرتے ہیں کہ اہلبیت سے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت سخت عداوت تھی اور اس عداوت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے فرضی قصے بنا لئے ہیں کوئی شبہ نہیں کہ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو نہ صرف اُن سے بلکہ اپنی اور لڑکیوں سے جبتک وہ حیات رہیں غایت درجہ الفت تھی آپ کو اولاد کی بہت ہی آرزو تھی اور بالخصوص اولاد نرینہ کی اور چونکہ آپکے لڑکے صغیر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت بی بی فاطمہ علیہ السلام کے دو بچے حسنین موجود تھے اسلئے آپ اُن ہی کو بچے سمجھتے تھے اور اُن سے پدرانہ محبت رکھتے تھے۔ اولاد کے شوق میں آپنے اپنے غلام کو بیٹا بنا لیا تھا اور آپ اسکو بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپکا صاحبزادہ ابراہیم انا کی تاریک کوٹھری میں فوت ہوا ہے اور آپکو خبر ہوئی ہے تو آپ بہت ہی روئے تھے یہاں تک کہ آپکی ہچکی بندھ گئی تھی اس پر بعض صحابہ نے بطور تعزیت خدمتِ اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ آپ اسقدر کیوں زاری فرماتے ہیں جب کہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں تو آپنے یہ ارشاد کیا کہ دل کے تعلقات عجیب وغریب ہیں میں نہیں رو رہا میرا دل رو رہا ہے۔ یا اسی قسم کی دوسری روایت کے مطابق اور الفاظ فرمائے اس سے آپکی محبت کا جو آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ تھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے لگتے تھے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انھیں برکت دیتے تھے۔ جب آپکی یہ کیفیت تھی تو ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ اور اُنکے بچوں سے آپ کسقدر محبت کرتے ہونگے۔ آپ حسنین کو کندھے پر بٹھاتے تھے آپ چڈھی پر بٹھاتے تھے اور اُن کے سب ناز اُٹھاتے تھے اس محبت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ازواج پر کم توجہ تھی۔ حضرت بی بی عائشہ کا حسد اس وقت تو ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ دوسری بی بی پر بہ نسبت اُنکے زیادہ توجہ فرماتے اور انھیں آنکھ

بھر کے نہ دیکھتے تو تو ایک بات بھی تھی اور جب یہ امر نہ تھا تو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی بیٹی سے گو سوتیلی ہی جلتیں اور قدرتی دشمن بنجاتیں جو کشش کہ بی بی عائشہ اور اہلبیت میں بیان کیجاتی ہے محض فرضی ہے اور ایک صحیح روایت سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا نہ حضرت بی بی فاطمہ رض کی یہ شان تھی کہ وہ اپنی ماں سے جلتی ہوں اور خدا واسطے اُنھوں نے ایک بیر باندھ لیا ہو۔

ایک مشہور روایت چلی آتی ہے اور جسے عیسائیوں نے بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگایا گیا ہے اور آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ لیا ہی تو کل صحابہ نے تو حضرت بی بی عائشہ کی سفارش کی تھی یا رائے دینے سے انکار کیا تھا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا تھا کہ رسول کیوں اتنا تردد فرماتے ہیں حضور کے لئے اور عورتیں موجود ہیں نکاح کرلیں۔ اس رائے کو دشمنی کی بنا قرار دیا جاتا ہے اور ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت بی بی عائشہ میں دشمنی تھی مگر ہمیں اس روایت سے اگر یہ صحیح بھی ہو کوئی وجہ مخالفت نہیں پائی جاتی آپنے بہت ہی معقول کہا کہ اس قسم کے تردد سے کیا حاصل اور بھی نکاح ہوسکتا ہے اور نبی اگر چاہیں تو عورتیں بہت ہیں اور اگر فرض کرلیں کہ حضرت علی رض نے دل کا غبار نکالا تو پھر کوئی ایسی صحیح روایت نہیں معلوم ہوتی جس میں بیان ہو کہ اس رائے سے حضرت بی بی عائشہ ناراض ہوئیں اور اُنھوں نے اُسکے جواب میں یہ بُرا بھلا کہا جب ان سے ایک بات بھی نہیں ہوئی پھر خواہ مخواہ نیک نیتی کے قول کو دشمنی پر محمول کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

اور بھی بہت سے معاملات قلمبند ہوئے ہیں مگر سب کمزور بنیادوں پر قایم کئے گئے ہیں۔ یہ روایات کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا اور اس الزام کی بابت رسول خدا نے صحابہ سے استمزاج لیا سراسر غلط ہے اور ہم اسکی لغویت بدلائل اوپر بیان کرچکے ہیں۔

غور سے دیکھنا چاہیئے کہ حضور انور کی بعثت کا کیا منشا تھا اور آپ کن مقاصد کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کے صرف دو مدعا تھے ایک تو توحید خدا کی اشاعت اور دوسرے خدا کی مخلوق میں اتحاد قائم کرنا۔ شرم کی بات ہے

مسلمان ہو کے یہ کہیں کہ پیغمبر خدا نہ اول مدعا میں کامیاب ہوئے نہ دوسرے میں اور
سوائے چند مسلمانوں کے لاکھوں منافق - بت پرست - دشمن دین وایمان رہے یہ ایسا
غلط استدلال ہے جو کبھی پذیرا نہیں ہو سکتا اور یہ ایسا بدیہی دروغ ہے جس کے لیئے
کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے دونوں مدعاؤں میں
کامیاب ہوئے آپ نے توحید کی اشاعت بھی کامیابی کے ساتھ کی اور آپنے اتحاد کی
رسی میں بھی مسلمانوں کو جکڑ دیا - حضرت علی ہوں یا حضرت فاروق اعظم حضرت بی بی فاطمہ ہوں
یا حضرت عائشہ سب آپس میں متحد تھے اور ایک کو دوسرے سے ذرا بھی مخالفت نہ تھی
یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی کو خلیفہ ہونے کی آرزو تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ
میں خلیفہ بنایا جاؤں مگر قوم نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر کو اپنا خلیفہ نامزد کیا حضرت علی
نے جب قوم کی عام رائے اس طرف دیکھی تو بہت خوشی سے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ
پر بیعت کر لی یہ محض غلط ہے کہ آپنے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور جبتک حضرت بی بی فاطمہ
کی وفات نہ ہوئی آپ بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے - اگر بیعت کرنے میں چھ مہینے
کا دفعہ ہو جاتا تو بڑا ہی غضب برپا ہوتا اور ہرگز مدینہ منورہ میں امن قائم نہ رہتا اور وہ گروہ
جو حضرت علی کے ساتھ تھا ضرور کچھ نہ کچھ فساد کرتا اور گھر کے اس فساد سے وحشی بدوؤں پر
کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی - اسامہ کی ماتحتی میں شام مہم روانہ ہو چکی تھی اور جنگ آور
مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں بہت ہی قلیل تھی - جب بدوؤں نے حملہ کیا ہے حضرت علی نے
اس حملہ کو پس پا کرنے میں بہت ہی مدد دی تھی اور آخیر کل صحابہ نے مل کے اس سخت مہم
کو سر کیا تھا جب یہ اتحاد تھا تو خیال نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی نے چھ مہینے بیعت کرنے
میں تامل کیا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ رضؓ کی پشت پناہی پر اپنی خلافت کے لئے موقع
ڈھونڈا ہو آپ معاملات سلطنت میں بہت فراخی اور دلی توجہ سے حصّہ لیتے تھے
اور اگرچہ وزارت یا میر منشی کا کام حضرت عمر ہی انجام دیتے مگر حضرت علی کے مشورہ
کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا - یہ محض غلط ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت
میں باغ فدک کا کوئی جھگڑا نکلا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ حضرت صدیق سے لڑی ہوں

باغ فدک۔ دراصل کوئی چیز ہی نہ تھا یہ ساری فرضی کہانیاں ہیں جن پر بیٹی شیعوں نے بہت کچھ
بحثیں کی ہیں اور ناحق کتابوں کے ورق سیاہ کیئے ہیں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
کوئی بھی جائداد نہ تھی نہ خیبر میں نہ فدک میں اگر کچھ خاص کپڑے یا کوئی اونٹ یا زرہ بکتر یا تلوار
تھی تو اس کی تقسیم ہونی ممکن نہ تھی آپ کو دنیا کے مال سے کچھ تعلق نہ تھا نہ آپنے اپنی مبارک
زندگی میں کسی چیز پر قبضہ کیا تھا۔ آپ کل مسلمانوں کے پیشوا ہی نہ تھے بلکہ روحانی باپ تھے
اگر آپ کے پاس کچھ تھا بھی تو وہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسرے حضرت بی بی فاطمہ خود بہت بڑی
سیر چشم خاتون تھیں لو فرضا کوئی ایسی جائداد ہوتی اور انھیں کوئی دیتا جب بھی وہ نہ لیتیں
انھیں ہر گز دنیا کی طمع نہ تھی۔ آپ پر تین تین وقت کے صاف کڑاکے گزر گئے ہیں اور چوتھے
وقت کھانا میسر ہوا ہے اور سائل نے سوال کیا ہے آپ نے فوراً وہ کھانا اُس سائل کو
دیدیا ہے آپ خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی تھیں مگر کسی کو مصیبت زدہ نہ دیکھ سکتی تھیں۔
دنیا آپ کی آنکھوں کے آگے ہیچ تھی آپکو یہی فخر کافی تھا کہ آپ خاتم النبیین فخر موجودات کی
صاحبزادی ہیں آپنے کبھی حضرت صدیق اکبر سے یہ نہیں کہا کہ ابوبکر تو تو اپنے باپ کی میراث
لے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ لینے دے آپ حد درجہ عالی ظرف اور مخیر تھیں آپکی
خیرات عرب بھر میں زبان زد تھی۔ اسکے علاوہ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فدک اور خیبر کی
جائداد میں خلفا نے تصرف کیا جبکہ خود انکی حکومت وسیع حصۂ زمین پر پھیل گئی تھی۔ ممکن ہے
کہ فدک کوئی مقام ہو یا باغ ہو اور خیبر میں آپنے کوئی خاص قطعہ زمین اپنے لئے اس لئے
مخصوص کر لیا ہو کہ گھر کا خرچ چلے مگر نہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ نہیں پایا
جاتا کہ کسی باغ یا جائداد سکنی یا زراعی کی کوئی خاص آمدنی ہو اور آپ اپنے خرچ کے لئے لیتے
ہوں حصّہ رسد جو مسلمانوں کو پہنچتا تھا اُس میں آپ شریک تھے اور بس اور اس کے علاوہ
جو چیز زیادہ آتی تھی یا آپ کو زیادہ حصّے ملتے تھے وہ آپ نے مسلمانوں کے لئے وقف
کر دیئے تھے حضور کے ہاں ہمیشہ بے وطن آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ کا گھر
ہمیشہ بے گھروں کے لئے کھلا رہتا تھا آپنے گیہوں کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی
کھجور اور دودھ جب کبھی میسّر آگیا تو گویا آپنے بڑا ہی پر تکلّف کھانا کھایا۔ آپنے بارہا کئی کئی دن

تک پیٹ سے پتھر باندھا ہے اور مہینوں آپکے حجرہ میں اندھیرا رہا ہے جب یہ کیفیت تھی تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپکی باغ فدک یا خیبر کی جائداد سے کوئی مستقل آمدنی تھی اور آپ اُس خاص آمدنی کو اپنے خرچ میں لاتے تھے کیسا باغ فدک اور کس کی خیبر کی زمین اگر قیصر و کیخسرو کا ملک ہوتا تو بھی بی بی فاطمہ مسلمانوں پر قربان کر دیتیں وہ بھی تو آخر جلیل القدر نبی کی صاحبزادی تھیں آنکی ایسی چھوٹی سی طبیعت نہیں تھی جیسی ہماری ہے اور ہم اپنی تنگ ظرفی سے اس نبی زادی کی طبیعت کو جانچتے ہیں جس سے زیادہ بزرگ جس سے زیادہ فدائی اسلام دنیا نے کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ باغ فدک یا حضرت رسول اللہ کی میراث لینے کا اتنا غل نہیں ہے جتنا اس روایت پر زور دیا جاتا ہے کہ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی گھر چھپکے ہو بیٹھے اور حضرت عمر مکان پر گئے حضرت علی کو پکڑا گلے میں رسی ڈالی اور اس طرح گھسیٹتے ہوئے حضرت ابو بکر کے پاس لائے اور پیچھے پیٹتی ہوئیں بی بی فاطمہ بھاگی چلی آئیں وغیرہ وغیرہ یہ روایتیں ہیں جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے ایک گروہ میں جاری ہو گئیں اور اُس گروہ نے ابتدائے زمانہ سے صرف انکو اس لیے رواج دیا کہ صحابائے راشدین پر سب و شتم کرنے کا موقع ہاتھ لگے اگر حضرت علی کی جھوٹی اور دور از قیاس باتوں سے کتنی ہی توہین کیوں نہ ہوتی ہو۔

حضرت علی بذات خود ایک جری اور شجاع شخص تھے مجال نہیں تھی کہ کوئی آنکھ بھر بھی دیکھ سکتا آپ جیسے بہادر تھے اسیقدر غیور بھی تھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ گلے میں رسی بھی ڈلوائیں پھر مدت تک نائب میر منشی کا کام بھی انجام دیتے جائیں اور شیر و شکر ہو جائیں خدا جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض لغو ہیں اور پہلے ان باتوں کو یہودیوں نے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور جو نہ صرف خلفاء راشدین اور مسلمانوں کے بلکہ اہلبیت کے جانی دشمن تھے دشمنی سے تراشا تھا اور بعد ازاں انکا اتنا زور ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق نے محض غلط فہمی سے انھیں تسلیم کر لیا اور پھر روایتیں رواج پا گئیں۔

جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر کو خلافت کے کاموں میں مدد دی تھی اسیطرح حضرت عمر کو بھی مدد دی اور آپ اُن کے مدار المہام بن گئے کیونکہ

جب حضرت عمر بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو آپ اپنی جگہ خلافت کے فرائض انجام
دینے حضرت علی کو چھوڑ گئے تھے ۔جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں تو حضرت
علی روکتے تھے اور نجانے دیتے تھے مگر جانا بہت ہی ضروری تھا چنانچہ آپ تشریف
لے گئے اور حضرت علی نے آپکے کام کو انجام دیا اسی طرح جب حضرت عثمان غنی کی خلافت ہوئی
ہے آپ اُس وقت بھی ویسے ہی مشیر بنے تھے لیکن جب آپنے دیکھا کہ حضرت عثمان میں
بذات خود اتنی بڑی خلافت کی باگ (جس سے تنگ آکے حضرت عمر کہا کرتے تھے کاش
میری ماں مجھے نہ جنتی تو میں ہرگز خلافت کا بوجھ نہ اُٹھاتا) نہ سنبھل سکی اور آپ مروان
کے ہاتھوں میں پڑ گئے جب حضرت علی نے یہ سانگ دیکھا تو پہلو تہی اس وقت تک
نہیں کی جب تک کئی کئی بار حضرت عثمان کو نہ سمجھا لیا مگر وہاں کوئی کامیابی نہیں دیکھی۔اسکی
وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ضعیف بہت ہی ہو گئے تھے اور ایسی ضعیفی کیحالت میں امور سلطنت
کا چلانا سخت وقت تھا بیشک انھیں بہت دہوکے دیئے گئے اور آپ چونکہ معصوم نہ تھے دہوکے
میں آ گئے آپکی ذاتی کوئی خطا نہ تھی اور آپ نے جو کام کیا اپنی طرف سے تو نہایت نیک نیتی
سے کیا آپنے خود خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی قوم نے آپکو خلیفہ تسلیم کیا اور اس لئے مجبورًا
اپنے ضعیفی کیحالت میں خلافت کا بوجھ اُٹھایا یہ صحیح ہے کہ جو آپ کو اپنی خلافت میں کامیابی ہوئی
صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثر تھا جب تک یہ اثر رہا سلمان برابر فتوحات میں
ترقی کرتے گئے مگر جب یہ اثر جاتا رہا فتنے اور فساد پیدا ہو گئے اور ان فتنوں کا آخری نتیجہ
ہوا کہ آپ کو نہایت مظلومانہ شہادت نصیب ہوئی ایسی شہادت جس پر سنگدل سے سنگدل
بھی افسوس کریگا اور اُس کے آنسو ٹپک پڑیں گے۔ آپنے فی الحقیقت امت محمدی کا تو بھلا
کیا اور آپ ہی کی خلافت میں بلاد افریقیہ وغیرہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی مگر آپکو کیا
معلوم تھا کہ آپ ہی کے قریبی رشتہ دار ایک دن آپ کی ہلاکت کے باعث ہونگے۔

اگر حضرت عثمان غنی کو یہ معلوم ہوتا کہ مجھے دہوکا دیا جا رہا ہے تو آپ ضرور اس کا انتظام
کرتے۔ آپ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ آپکی وجہ سے اسلام میں فساد پھیلے۔ ہمیشہ جو
فساد اُٹھا کوفہ سے اُٹھا۔ ابھی اطمینان سے خلافت ہو رہی تھی کہ کوفیوں میں یہ بحث

شروع ہوئی کہ چونکہ حضرت عثمان اپنے ہی رشتہ داروں کو عامل بنا کے بھیجتے ہیں اس لئے انھیں خلیفہ نہیں ماننا چاہئے سعید بن العاص والئے کوفہ کو جب خبر لگی کہ اس طرح کوئی حضرت عثمان کے خلاف چرچا کر رہے ہیں اُس نے فوراً حضرت عثمان کو اس امر کی اطلاع دی آپنے فرمایا کہ ان لوگوں کے سرغناؤں کو امیر معاویہ کے پاس بھیجدو تاکہ امیر معاویہ انکے شکوک رفع کردیں۔ چنانچہ والئے کوفہ نے فوراً اُن لوگوں کو معاویہ کے پاس روانہ کردیا معاویہ نے اُن کی بڑی خاطرداری کی اور سمجھایا کہ تم ایسی باتیں نکرو ان سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے تمھیں کچھ اسلام کا بھی پاس ولحاظ کرنا چاہیئے یہ سن کے وہ برافروختہ ہوئے اور ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام صعصعہ تھا امیر معاویہ کی عین دربار میں ڈاڑھی پکڑلی واہ رے تحمل اور بردباری کہ امیر معاویہ نے اُف تک نہ کی اور حضرت عثمان غنی کو ان کی آتش مزاجی کی ساری کیفیت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ ان پر ہرگز سب وشتم نہ کیا جائے بلکہ انھیں واپس سعید ابن العاص کے پاس بھیجدیا جائے۔ سعید ابن العاص نے انھیں بہت کچھ اونچ نیچ کے پہلو سمجھائے اور انھیں بتایا کہ اگر تمھاری ان باتوں سے کوئی فساد ہوگیا تو اسلام میں خونریزی کے تم ذمہ دار ہوگے یہ لوگ بظاہر تو کچھ دبیے ہوگئے مگر ان کے دلوں میں فتنہ کی آگ جلتی رہی۔ ۳۴ ویں سال ہجری سعید خود حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اخیر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں سعید نے عرض کیا کہ وہ ابوموسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں۔ آپ نے فوراً ابوموسیٰ اشعری کو کوفہ کا والی بنادیا۔ اس سے زیادہ اور آپ کیا کرسکتے تھے۔ آپ مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے اور آپ کی کوئی غرض نہ تھی۔ یوں تو اپنے رشتہ داروں سے فطرتاً سب ہی کو محبت ہوتی ہے مگر آپ مسلمانوں کے آگے کسی کی رورعایت نہ فرماتے تھے کوفیوں کے کہنے سے ابوموسیٰ اشعری بھی حاکم ہوگئے۔ پھر بھی سرگوشیوں کا دروازہ بند نہوا اور اخیر یہانتک نوبت پہنچی کہ صحابہ میں سے چند صحابی آپ کے کھلم کھلا مخالف بن گئے۔ ان میں زید بن ثابت ابو رشید السعدی۔ کعب بن مالک اور حسان بن ثابت شعری تھے یہ صحابہ اسقدر مخالف ہوئے کہ جہاد کا فتویٰ دینے پر راضی ہوگئے۔ ہم ان ...

کی شان میں جو حضرت عثمان غنی سے مخالف ہوگئے تھے کوئی سوء ظنی نہیں رکھتے بلکہ اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ عام افواہوں نے اُنکے ایسے کان بھرے تھے کہ وہ بلا تحقیق بغاوت پر آمادہ ہوگئے اور جو الزام اُنھوں نے حضرت عثمان پر لگائے وہ یہ تھے۔ اول حضرت عثمان نے حکم ابن العاص کو جسے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کردیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر نے اُسے گھسنے نہ دیا تھا مدینہ میں واپس بلالیا۔ دوم آپنے مروان بن الحکم کو پانچواں حصہ افریقیہ کے محصول کا جو پانچ لاکھ دینار سالانہ کی آمدنی تھی دیدیا۔ سوم باغ فدک جو حضرت علی کے خاندان میں چلا آتا تھا چھین کے مروان کو دیدیا اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک مروان کی اولاد اُس باغ پر قابض رہی۔ یہ الزام ہیں جو آپ پر اُسی زمانہ میں قایم ہوئے تھے اور ان الزاموں کا یہاں تک چرچا ہوا تھا کہ عبدالرحمن کندی نے چند اشعار بھی موزوں کردیئے تھے جن کا خلاصہ یہ ہے "قسم ہے خدا کی خدائے تعالیٰ نے کوئی امر بے قاعدہ اور لغو نہیں بنایا مگر تو نے (حضرت عثمان غنی کی طرف خطاب) ہمارے واسطے فتنہ پیدا کیا ہے تاکہ اُس میں ہماری اور تیری آزمایش کیجائے۔ جو دو خلیفہ پہلے گزرے وہ ہدایت کا ایک مینار بنائے گئے تھے اور کبھی اُنھوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا نہ کوئی درہم اپنی خواہش نفس میں صرف کیا۔ تو نے ایک لعین کو اپنی ناک کا بال بنا کے گزشتہ سنت کے خلاف راہ اختیار کی اور پانچواں حصہ جو حق العباد تھا لوگوں کے گلے پر چھری پھیر کے اپنا کنبہ پالا"۔ غرض اس قسم کی آوازیں جن میں خونریزی کی بو آتی تھی چاروں طرف سے آنے لگیں اور ایک تہلکہ عظیم برپا ہوگیا۔ اگرچہ مذکورۂ بالا اعتراض محض لغو اور بے معنی ہیں اور وہ ایسے سنگین نہیں ہیں جو اتنی بڑی خونریزی کے باعث ہوتے پھر بھی روز بروز ان پر رنگ چڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک پہونچی کہ افسوسناک شہادت کا ظہور ہوگیا۔

اس شہادت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کوفہ اور بصرہ اور مصر سے قریب ایکہزار آدمیوں کے مدینہ میں جمع ہوئے اور اُنھوں نے اپنے اپنے پسند کے خلیفہ بنانے چاہے۔ مصری تو یہ کہتے تھے کہ حضرت علی خلیفہ بنیں اور کوفی حضرت زبیر کو اور اہل بصرہ طلحہ کو امیرالمومنین

بنانا چاہتے تھے۔ جب پہلا جمعہ ان لوگوں کے داخل ہونے پر آیا تو حضرت عثمان گھر سے باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز پڑھی جب آپ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو تم جانتے ہو کہ تم جیسے لوگوں پر ہمیشہ رسول خدا نے لعنت کی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب آگ بگولا ہو گئے۔ مدینہ کے بھی بہت سے آدمی اُنکے ساتھ شریک ہو گئے اور لڑائی ہونے لگی۔ طرفین سے پتھر مارے جانے لگے۔ چنانچہ اس طوفان بے تمیزی میں بمشکل چند آدمیوں نے حضرت عثمان کو گھر تک پہنچایا۔ پہلے آپکے ایک پتھر ایسا سخت لگا کہ آپ بیہوش ہو گئے ممبر پر گر پڑے تھے۔ مدینے کے لوگوں میں سے جنھوں نے مقابلہ کیا تھا وہ یہ تھے سعد بن ابی وقاص حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے صاحبزادے زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ۔ حضرت عثمان جب گھر میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے واپس جانے کی بابت کہلا بھیجا۔ چالیس یا پچاس روز تک آپ اپنے گھر میں محصور رہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اور خوف معلوم ہوا مبادا مدینہ منورہ کی مقدس شاہراہیں مسلمانوں کے خون سے تر ہوں آپ سیدھے حضرت عثمان غنی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مروان کو موقوف کر کے کیوں نہیں فساد کو دفع کرتے۔ حضرت عثمان نے کہا میں فساد نہیں چاہتا مجھے جو کچھ تم تدبیر بتاؤ منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا اول تو مروان کو میر منشی گری سے موقوف کیجئے دوسرے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر دیجئے حضرت عثمان نے کہا مجھے بدل منظور ہے یہ سنتے ہی حضرت علی باہر آئے اور لوگوں کو سمجھایا کہ تمہارے حسب منشا کام ہو گیا۔ وہ یہ سنتے ہی خوش ہو گئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضرت علی کے جاتے ہی مروان آیا اُس نے کہا دیکھئے ایسا نہ کیجئے گا آپ کے لئے بہتر نہ ہو گا حضرت عثمان نے جواب دیا میں مسلمانوں میں فساد نہیں چاہتا اور علی سے وعدہ کر چکا ہوں اپنے قول سے کبھی نہیں پھرنے کا لاکھ کچھ مروان نے سر پٹکا لیکن حضرت عثمان نے نہ مانا اور فوراً ابن ابی سرح کو موقوف کر دیا۔ اور محمد حضرت ابو بکر کے صاحبزادے کو مصر کا عامل بنا کے روانہ کیا۔ محمد کے ساتھ

اور مہاجرین کا بہت بڑا گروہ روانہ ہوا جب یہ کچھ فاصلہ پر پہنچے تو اُنہوں نے ایک
سوار آتا ہوا دیکھا اس سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتا ہے اُس نے کہا کہ میں مصر کے حاکم
پاس جاتا ہوں محمد کے ہمراہیوں نے محمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ عامل تو یہ
ہیں اب تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ موجودہ عامل کے پاس مجھے ایک خط پہنچانا
سنتے ہی محمد نے اُسے گرفتار کر لیا جب اُسکی تلاشی لی تو معلوم ہوا کہ اُس کے
حضرت عثمان کا مہری ایک خط ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت محمد تمہارے
پہنچے اُسے فوراً قتل کر ڈالنا۔ یہ دیکھتے ہی محمد مع ہمراہیوں کے مدینہ واپس چلے
اور کل صحابہ کو جمع کر کے وہ خط دکھایا۔ خط دیکھتے ہی سب کے آگ لگ گئی اور
شور و غوغا مچگیا۔ سب ملکے حضرت عثمان کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا آپنے
مہر بھی میری ہے اور خط بھی میرے منشی کا ہے مگر مجھے اس کا علم نہیں ہے غرض
قسم کھائی اور بالکل اپنی لاعلمی ثابت کردی۔ صحابہ کو یقین آگیا اور اب چونکہ مروان
ثابت ہوچکا تھا کل صحابہ نے مروان کو حضرت عثمان سے مانگا مگر آپ دینے پر راضی
ے۔ پھر کیا تھا بغاوت کی آگ جو چند روز سے دبی ہوئی تھی بھڑک اُٹھی اور نئے سرے
لوگوں نے آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ جب حضرت عثمان کی جان کے لینے کے دینے
ے اور حضرت علی نے اس خوف کو زیادہ محسوس کیا تو اپنے بڑے بیٹے حسن علیہ السلام
روازہ پر کھڑا کر دیا اور حکم دیدیا کہ بیٹا دیکھنا کوئی شخص اندر نہ داخل ہونے پائے اسیطرح
ت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اور طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو دروازہ پر پہرہ دینے
لئے مقرر کیا۔ لوگوں نے اندر گھس جانا چاہا تینوں صاحبزادوں نے روکا یہاں تک
رت امام حسن تو اسقدر زخمی ہوئے کہ خون میں نہا گئے تو بھی دروازہ کی راہ سے کسیکو
ہیں گھسنے دیا اخیر باغی دیواروں پر چڑھ کے ایک ہمسایہ کے گھر میں جا کودے اور
رت عثمان کے مکان میں آگئے۔ ان میں محمد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے بھی تھے
ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے اور حضرت عثمان کیطرف بڑھے آپکے غلاموں نے مقابلہ
رفین کے کچھ لوگ مقتول و مجروح ہوئے اخیر سب سے پہلے محمد پہنچے اور انھوں نے

حضرت عثمان کی داڑہی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی
تیرا باپ اس ڈاڑہی کی بڑی توقیر کرتا تھا اور آج تو اسے پکڑ کے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایسے
جلے تھے جنہوں نے جادو کا اثر کیا محمد داڑہی چھوڑ کے پچھلے قدموں ہٹ گئے پھر ایک
شخص نے آگے بڑھ کے تلوار کا وار کیا آپ کی بی بی نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ سے
اُن کی انگلیاں اور آدہا ہاتھ کٹ گیا پھر آپ کو شہید کیا جس وقت شہید ہوئے ہیں
قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور اس دن روزے سے بھی تھے۔ یہ جانکاہ حادثہ
۱۸ ذی الحجہ ۳۶ سنہ ہجری کو وقوع میں آیا۔ آپ نے قریب قریب بارہ سال تک خلافت
کی آپ کی عمر شہادت کیوقت نوے سال کی تھی۔ تین روز تک آپ دفن نہیں کئے گئے
اخیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوشش کر کے آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

اب یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ شروع ہوتی ہے کہ آپ کے
بارے میں کسقدر اختلاف خیال ہے اور مورخ کیا لکھتے ہیں ہم پہلے مختلف تاریخوں
سے واقعات قلمبند کرتے ہیں اور پھر اُن پر رائے دینگے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو ایک
تک مسلم ہیں اور انھیں کم وبیش سب نے تسلیم کیا ہے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت
عثمان کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج بیت اللہ شریف کرنے گئی ہوئی تھیں
کہ اسی اثنا میں آپ کو خبر پونہچی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ جس شخص نے آپ سے
یہ روایت بیان کی اس سے آپ نے دریافت کیا کہ مسند خلافت پر کون بیٹھا اُس
جوابدیا کہ علی مرتضیٰ یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا "وانا للہ وانا الیہ راجعون" اس واقعہ
حال مکہ کے راستے میں سنا تھا آپنے فرمایا کہ میں مکہ واپس جاتی ہوں مدینہ اب میرے رہنے
کے قابل جگہ نہیں رہی۔ اور یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان مظلوم شہید ہوئے
میں ضرور اُنکے خون کا انتقام لونگی۔ اس پر عبید سلمان نے کہا تعجب ہے اے عائشہ
پہلے تو تم یہ کہا کرتی تھیں "اقتلوا نعثلا فانہ قد کفر" یہ ہے روایت جو بیان کی گئی
جس کا سر نہ پیر۔ اول تو کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قتل عثمان کی خبر سنتے
ہی حضرت بی بی عائشہ نے یہ کہا ہو دوسرے یہ محض غلط ہے کہ رستہ میں آپ کو یہ خبر

پ ابھی تک مکہ معظمہ ہی میں تھیں جب وہ سانحہ ہوا ہے آپ کو سب سے پہلے طلحہ اور زبیر نے
جبر دی تھی اور یہ دونوں اگرچہ جلیل القدر صحابہ تھے مگر خلافت کی انکی بھی خواہش تھی اور
سلمانوں کا ایک بڑا گروہ آپ کے بھی ساتھ تھا۔ جب حضرت عثمان شہید ہو چکے اور دفن
و چکے تو یہ دونوں حضرت علی کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ آپ خلیفہ بنئے حضرت علی
ے خلیفہ بننے سے انکار کیا کیونکہ حضرت علی مسلمانوں کی باہمی کشش کو دیکھ چکے تھے آپ نے
رمایا مجھے ہرگز منظور نہیں ہے تم چاہے جسکو خلیفہ بنادو جب کوئی خلیفہ ہو جائیگا میں اُسکے
تھ پر بیعت کر لوں گا طلحہ نے جواب دیا سوائے آپ کے اب کوئی خلافت کے قابل
ہیں ہے آپ انکار نہ کیجئے اور بسم اللہ کیجئے تاکہ ہم آپکے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علی
ڑی گفت و شنود کے بعد راضی ہو گئے اور سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی۔ حضرت
طلحہ کا ایک ہاتھ جنگ احد میں ٹنڈا ہو گیا تھا جوں ہی حبیب ابن ذویب نے یہ سنا کہ
ٹنڈے طلحہ نے بیعت کی تو اُنھوں نے بیساختہ کہا "اِنّا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون" کیونکہ
ول جس شخص نے بیعت کی وہ ہاتھ کا ٹنڈا ہے اب یہ امر بیعت تمام ہوتا ہوا نہیں معلوم
ہوتا یہ کہکر ابن ذویب نے بیعت کی پھر حضرت زبیر نے بیعت کی۔ اگرچہ ابھی تک ایک بڑا گروہ
حضرت علی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ تھا مگر پھر بھی کثرت رائے آپ کی طرف تھی اور
آپ خلیفہ بن گئے مگر بڑی غلطی جو اپنے کی وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے
صاحبزادہ عبداللہ کو سزائے موت دینی چاہی کیونکہ انھوں نے ایرانی شاہزادہ کو قتل کر دیا
تھا حضرت عثمان کے سامنے بھی یہ مقدمہ پیش ہوا تھا چونکہ معہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے
سب کی رائے تھی کہ اسے ضرور سزائے موت دینی چاہیے اور کل صحابہ معہ حضرت عثمان
اس کے خلاف تھے اس لئے عبداللہ چھوڑ دیئے گئے تھے اس میں شک نہیں کہ
حضرت علی حق پر تھے اور وہ اس بے رو رعایت قانون کا عملدرآمد کرتے تھے جو اسلام
نے قائم کیا تھا مگر قاتل کے عذر کو بھی سننا ضرور چاہیئے تھا اور مصلحت وقت بھی دیکھنی
ہیئے تھی۔ بہرحال کچھ ہوا مخالفت کی بنیاد اول تو اس سے قائم ہوئی۔ اور اس سے
بعد اور بھی مضبوطی پکڑ گئی کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا حالانکہ وہ لوگ زیادہ تعداد

کے نہ تھے اگر چاہتے تو ممکن تھا اور ہر گز فساد نہ ہو سکتا تھا مگر ڈر یہ تھا کہ مبادا زیادہ خونریزی
نہ ہو جائے اور مدینہ پر نئے سرے سے مصیبت آ پڑے جو صحابہ آپ پر اصرار کر رہے تھے
وہ بھی صحیح تھے اور آپ بھی اپنے خیال میں صحیح تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر گھر ہی میں یہ فساد
نہ ہوتا تو آپ ضرور قاتلوں سے انتقام لیتے مگر سر دست قاتلوں کو گرفتار کرنا اور انھیں
سزائے موت دینی خیال میں نہ آئی اور آپکے خیال میں کسی طرح بھی خامی نہ تھی۔ صدہا آدمیوں
کا خون ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اُدھر صحابہ کا جوش بڑھ رہا تھا اور یہ جوش بھی بیجا نہ تھا
کیونکہ ضعیف اور مقدس خلیفہ واقعی بیگناہ بہت ہی بیدردی سے شہید کیا گیا تھا۔ جب یہ
ثابت ہو چکا تھا کہ قصور مروان کا ہی پھر مروان ہی کو پکڑا ہوتا بھلا حضرت عثمان نے کیا بگاڑا
تھا کہ بزدلوں نے آپ کو شہید کر دیا اُن سے زیادہ بزدل اور کون ہوگا جن کا ہاتھ
نوے برس کے بڈھے پر اُٹھے۔

غرض جب صحابہ کے پے درپے اصرار کا حضرت علی نے صاف جواب دیدیا کہ
جبتک میں کافی طور پر قوی نہ ہو جاؤں اور انتظام نہ کرلوں حضرت عثمان کے قاتلوں پر ہاتھ
نہیں ڈال سکتا تو صدہا صحابہ نااُمید ہو گئے اور اُنھوں نے علانیہ بیعت کرنے سے
انکار کر دیا طلحہ اور زبیر اگرچہ بیعت کر چکے تھے مگر اُنھوں نے اپنی بیعت واپس لے لی اور
وہ بھاگ کے مکہ چلے آئے کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کو جان کا بھی خوف تھا اور انھیں یقین
تھا کہ حضرت علی ہمیں قتل کر واڈالیں گے جب ان دونوں نے حضرت بی بی عائشہ سے
ساری کیفیت بیان کی تو انھیں سخت ناگوار گزرا اور اُنھوں نے کہا کہ علی کا پہلا فرض
یہی تھا کہ عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کرتا ابھی طلحہ اور زبیر سے مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ عبداللہ
بن عامر بصرہ سے آگیا اور یعلی بن اُمیہ یمن سے اور یہ دونوں بکثرت روپیہ اپنے ساتھ
لے لیکے آئے اور پھر باہم مشورے ہونے لگے۔ حضرت بی بی عائشہ کہنے سننے میں آگئیں
اور واقعی بات یہ ہے کہ انھوں نے کسی بدنیتی سے مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ تبقاضائے
فطرت اُنھیں حضرت عثمان کی شہادت کا جوش اسقدر تھا کہ دنیا تاریک ہو رہی تھی۔ وہ صرف
حضرت عثمان کے لئے ہزاروں کی جان قربان کر دینے پر آمادہ تھے اور یہ جوش اُنکا اسلامی

...ا- قصہ مختصر یہ کہ یہاں مدینہ میں حضرت علی خلیفہ بنائے گئے اور مکہ میں خونریز مشورے ہوئے
...ے- اخیر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر لیا کہ وہ بصرہ چلی چلیں بصرہ میں جانے
...ں متعدد روایتیں ہیں اور مورخوں میں ایک عجیب اختلاف واقع ہوا ہے ایک روایت
یہ ہے کہ عبداللہ بن عامر نے ورغلان کر آپ سے کہا تھا کہ بصرہ میں میرے ہوا خواہ بہت
...رت سے ہیں وہاں ہمیں کامیابی ہوگی دوسری روایت یہ ہے کہ طلحہ نے کہا تھا کہ
...صرہ کا بصرہ میرا معتقد ہے اگر ہم وہاں گئے تو سب ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہم
...سانی خون عثمان کا عوض لے سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کا ارادہ ہو گیا تو
...ہ میں آواز لگا دی گئی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے
...ر بستہ ہوئی ہیں جس شخص کو ام المومنین کا ساتھ دینا ہو وہ آمادہ ہو جائے چنانچہ دو ہزار
...سلمان اور مدینہ منورہ کے ہمراہ ہو گئے تیسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت
...بی بی عائشہ ام المومنین ام سلمہ کے پاس آئیں اور اُن سے مشورہ لیا کہ میں امیر المومنین
...ثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتقام لینا چاہتی ہوں حضرت بی بی ام سلمہ نے سمجھایا یہ تم کیا
...ضب کرتی ہو حضرت علی کے مقابلہ میں آمادۂ پیکار ہوتی ہو تمہیں وہ حدیث یاد ہے کہ
...ب رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری بی بیوں میں سے ایک بی بی باغی ہو گی اور ایک
...ر اونٹ پر سوار ہو کے جدال و قتال کریگی لوئیں یہ سُن کے خوف کے مارے گر پڑی تھی
...ر میرے اس خوف زدہ ہو کے گرنے پر رسول کریم نے مسکرا کے فرمایا تھا کہ تم کیوں
...ر تی ہو فلاں بی بی ایسا کریگی اشارہ تمہاری طرف تھا دیکھو بچو! اور اس آفت میں پڑو!
...ی کا مقابلہ کرتی ہو؟ یہ بات ٹھیک نہیں ہے تعجب ہے عائشہ جسے تم کافر کہتی تھیں اب
...ی اُسے امیر المومنین کہتی ہو یہ سُن کے عائشہ ڈر گئیں اور کہا میں اپنا ارادہ عراق عرب
...یکا ترک کرتی ہوں اب کبھی نہ جاؤنگی ام سلمہ تم سچ کہتی ہو۔ جب حضرت عائشہ اپنے جلے
...م پر آئیں اور زبیر کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے صاف کہا کہ اگر تم نہ چلو گی تو میں
...انہ وار جنگلوں میں نکل جاؤنگا اور پھر کبھی منہ نہ دکھاؤنگا اور ساتھ ہی میں خودکشی کرلوں گا
...ر حضرت بی بی عائشہ کے بھانجے تھے اور آپ اپنے بھانجہ سے محبت بھی بہت کرتی تھیں

ناچار راضی ہوگئیں اور ام سلمہ کی نصیحت کا کچھ بھی خیال نہ رہا۔ یہ روایتیں جو آئکل بچو بیا
کیجاتی ہیں کجا حضرت رسول کریم کی حدیث اور کجا ام سلمہ کا اس حدیث کو دُہرانا۔
سب بے بنیاد اور بنائی ہوئی باتیں ہیں جنھیں صدق سے کوئی بھی علاقہ نہیں حضر
جانتے بھی تھے کہ عائشہ باغی ہوگی اور پھر موانست بھی بڑہاتے جاتے تھے نہ اسوقت
ام سلمہ کا مکہ میں موجود ہونے کا ثبوت ہے نہ حضرت بی بی عائشہ کا اُن سے مشورہ
کا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کو ڈرایا کہ اگر تم مدینہ میں گئیں
علیؓ اچھا سلوک نہیں کرینگے۔ ہر شخص فطرتاً اپنی عزت چاہتا ہے آپ چونکہ خاتون تھیں
یقین آگیا اور آپ بجائے مدینہ کے بصرہ چلی گئیں۔ نہ آپنے حضرت عثمان کو کافر کہا
آپ کو امور سلطنت میں دخل دینے سے کچھ سروکار تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ آپ
حضرت عثمان کو کافر کہا تھا تو پھر دقت یہ ہوتی ہے کہ حضرت عثمان کو ایک دن بھی خلافت
کیوں نصیب ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر بہ نسبت اور ازواج پاک کے مسلمانوں
پر بہت ہی تھا اگر آپ کوئی نقص حضرت عثمان میں دیکھتیں تو ضرور عام مسلمانوں پر اُس کا
اثر پڑتا اور سب برسر پرخاش اُٹھ کھڑے ہوتے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ
میں صف آرا ہونیکی پروا نہ کی تو حضرت عثمان سے برسر پیکار ہونا بہت بڑی بات
نہ تھی۔ ممکن نہیں ہوسکتا کہ ایک ام المومنین مدینہ ہی میں رہے اور خلیفہ وقت کی
نسبت کفر کا فتویٰ دے اور پھر خاموشی کے ساتھ سن لیا جائے نہ حضرت عثمان
اپنی بریت کریں اور نہ مسلمان کچھ چون وچرا کریں۔ یہ ساری باتیں خیر القرون اور عقل
کے خلاف ہیں اور ہر شخص جس نے کچھ بھی ان واقعات پر غور کی ہے ہرگز انکی صداقت
کی شہادت نہیں دینے کا۔

یہ ساری باتیں محض مضحکہ خیز ہیں صرف اسی قدر صحیح ہے کہ آپ بصرہ تشریف
لیگئیں اور وہاں حضرت علی سے جنگ ہوئی جسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت
بی بی عائشہ بصرہ پہنچیں تو پہلا حملہ عثمان بن حنیف پر ہوا جس نے خفیف مقابلہ کے بعد
شکست کھائی اور قید کرلیا گیا اُسکی ڈاڑھی منڈنے اور مونچھیں اُکھڑنے کا قصہ گھڑا

ہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سنا آپ ایک فوج کثیر کے ساتھ حملہ آور ہوئے حضرت علی کی فوج کا علمدار محمد ابن حنفیہ تھا لشکر کے میمنہ پر حضرت امام حسن میسرہ پر حضرت امام حسین رسالہ پر عمار بن یاسر اور پیادہ فوج پر محمد بن ابی بکر الصدیق یعنی بی بی عائشہ کے بھائی تھے کوفہ کا بھی ایک بہت بڑا گروہ آپکے ہمرکاب تھا مقام حزیبہ میں یہ لڑائی ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زبیر کو پیغام بھیجا کہ تم ذرا مجھسے آکے ملجاؤ چنانچہ زبیر آئے تو حضرت علی نے فرمایا تمکو یاد نہیں زبیر کہ تم سے فلاں روز رسول خدا نے کیا کہا تھا کہ علی کو دوست رکھنا اور اب تم مجھسے لڑتے ہو۔ حضرت زبیر اس کہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے اور ارادہ جنگ ملتوی کردیا مگر جب وہ اپنے لشکر گاہ میں واپس آئے آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ تم قسم کو توڑ ڈالو اور اُس کا کفارہ دیدو چنانچہ آپ نے عہد شکنی کے کفارہ میں اپنا غلام مکحول نامی آزاد کردیا اخیر میدان جنگ گرم ہوا اور ایک سخت جنگ کے بعد بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی۔ جس اُونٹ پر آپ سوار تھیں اُس کا نام عسکر تھا وہ بھی جنگ میں مارا گیا اس جنگ میں مقتولین کا شمار دس ہزار کیا جاتا ہے شکست ہونیکے بعد حضرت علی نے محمد بی بی عائشہ کے بھائی کو آپکے پاس بھیجا اور ہر طرح کی دلجوئی کی اور محمد نے اپنی بہن کو عبداللہ بن خلف کے مکان میں اُتارا اور بعد ازاں حضرت علی نے بڑی حفاظت سے اپنے صاحبزادوں کے ساتھ مدینہ پہنچادیا۔ اس جنگ میں طلحہ اور زبیر بھی کام آئے جب حضرت علی نے طلحہ کی لاش دیکھی تو بیساختہ رونے لگے اور اُنکے جنازہ کی خود نماز پڑھا کے اُنھیں دفن کردیا یہ ہے مختصر کیفیت جنگ جمل اور حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی کی۔ طرفین میں محض ایک غلط فہمی تھی جس سے یہانتک طول کھنچا حضرت علی کسی مصلحت سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نکرتے تھے اور جو لوگ اس میں تساہل کو ناواجب سمجھتے تھے وہ آمادہ پرخاش ہوگئے تھے یہ ایک رائے کی غلطی تھی اور بس اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس جنگ میں ہزاروں ہزاروں صحابہ بلاوجہ شہید ہوئے اور اسلام کے لئے یہ ایک افسوسناک مقام تھا مگر غلط فہمی کا کوئی علاج نہ تھا اور اس کا ثمرہ مسلمانوں نے چکھا اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک بہت کچھ امن رہا اور جو کچھ ترقی مسلمانوں

کو ہوئی وہ صرف حضرت عمر ہی کی صائب تدبیری کا نتیجہ تھا۔ خلافت یا حکمرانی سے مذہب کو کوئی بھی تعلق نہ تھا یہ ایک بادشاہت تھی جسے مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے جس طرح کمزور شاہ کی تخت نشینی پر بغاوتیں ہوتی ہیں اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں بغاوتیں ہوئیں۔ لڑائیاں ہوئیں اور خونریزیاں ہوئیں ہمیشہ سے دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے اور اب بھی موجود ہے مخالفت کی اس میں کوئی بات تو نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت علی اس امر کو خوب جانتے تھے اور آپ نے کبھی ان کو مذہبی جنگیں نہیں خیال فرمائی ہیں دشمن کے جنازہ کی نماز پڑھا کے آپنے اس کا ثبوت دیدیا کہ یہ مذہبی لڑائی نہ تھی۔ ہم سب بھائی ہیں اور جب ایک شخص مرچکا ہو اُسکے لئے دعائے خیر ہی کرنی چاہئے۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ جتنی بغاوتیں ہوتی ہیں وہ سب ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں دنیا کی سلطنتوں میں اول روز سے بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہے باغی ہرگز اپنے آقا کے دشمن نہیں ہوتے بلکہ اُس سے غیر معمولی رعایتیں اور حقوق چاہتے ہیں اور اُسے دینے میں تامل ہوتا ہے اس لئے وہ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں کامیاب ہوگئے وہ حقوق لے لئے ناکام ہوئے پھر اپنی اُسی حالت پر آگئے اور بس اور بی بی عائشہ کی بھی یہی مثال ہے اگرچہ ہم اُنھیں ہرگز باغی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ صرف خون عثمان کے لئے لڑی تھیں اور آپ چند حقوق کی طلبگار تھیں اگر جنگ میں کامیاب ہوجاتیں لے لیتیں ناکام رہیں اپنے گھر جا بیٹھیں نہ کچھ لڑائی تھی نہ جھگڑا تھا۔

یہ ہیں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوانح عمری جو نہایت اختصار کے طور پر بیان کئے گئے آپکے واقعات زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو عجیب ہو اور ساتھ ہی آپکے شایان بھی نہ ہو۔ آپ کو یہ غلط فہمی پڑ گئی تھی کہ حضرت علی قدرت ہوتے پر بھی حضرت عثمان کے قاتلوں کو نہیں پکڑتے اور حضرت علی نے اُنکے نہ گرفتار کرنے اور نہ سزا دینے کی کوئی مصلحت سوچ رکھی تھی جسے وہ خود ہی بخوبی سمجھتے تھے حضرت علی کچھ ایسے وقت سے خلیفہ بنے تھے کہ آپ کی شہادت تک برابر خونریزی کا سلسلہ جاری رہا اور اخیر آپ کی جان بھی قبل از وقت اسی میں ضایع ہوئی کیونکہ آئے دن کے فساد

اور قتل وغارت سے سلمان عاجز آگئے تھے اخیر امیر معاویہ عمر بن العاص اور حضرت علی کو قتل کر ڈالنا چاہا کہ خونریزی کا سلسلہ ختم ہو۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں تو بچ گئے اور حضرت علی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت بی بی عائشہ کی وفات ۵۸ھ ہجری میں ہوئی آپ سے دو ہزار سے کچھ زیادہ اوپر حدیثیں منقول ہیں۔

حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا

آپ حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں پہلے آپ کا نکاح خنیس ابن خدافہ سے ہوا تھا جنھوں نے آپکے ساتھ ہجرت کی تھی اور جن کی وفات غزوۂ بدر کے بعد ہوئی تھی آپ کی ولادت ۱۸ سال قبل ہجری میں ہوئی تھی جب آپکا نکاح حضور انور کے ساتھ ہوا ہی آپکی عمر ۲۱ سال کی تھی اور آنحضرت کی عمر اس وقت پورے ۵۶ سال کی تھی ۴۵ھ ہجری میں ۶۵ سال کی عمر میں آپکی وفات ہوئی ہے آپ کے نکاح کی نسبت بہت سی روایتیں ہیں۔ جن میں سے ہم مختصر بیان کرتے ہیں جب آپ کے خاوند کا انتقال ہو چکا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمدن عرب کے بموجب پہلے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کو آپکے نکاح میں دینا چاہتا ہوں کیا آپ منظور کرتے ہیں۔ اُنھوں نے انکار کیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پھر حضرت ابو بکر سے یہی درخواست کی گئی اُنھوں نے بھی انکار کیا اخیر حضور انور کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کر دی حضور انور نے حضرت عمر کو شکستہ خاطر دیکھکر تسلی فرمائی اور خود اپنی رضامندی درخواست کرنے پر ظاہر فرمائی۔ یہ دیکھ کے حضرت عمر بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اس طرح نکاح ہو گیا یہانتک تو واقعات قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں مگر آگے چل کے روایتوں میں عجیب رنگ آمیزی ہو گئی ہے جو نہ صرف عقل ہی کے خلاف ہے بلکہ ان روایتوں کی سند کہیں سے نہیں ملتی منجملہ اُن کے ایک روایت یہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر نے انکار کیا تو حضرت عمر بہت ہی ناراض ہوئے اور خاموش چلے آئے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا تو آپ حضرت ابو بکر صدیق کے پاس گئے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا عمر تم جانتے ہو

میں نے کیوں انکار کر دیا تھا اور میرے انکار سے تم ناراض بھی ہو گئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا وجہ انکار مجھے نہیں معلوم ہاں ناراض تو میں بیشک ہو گیا حضرت ابو بکر نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت نے مجھسے ذکر کیا تھا کہ میں حفصہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یہی وجہ میرے انکار کی تھی اور اُس وقت مَیں نے نبی کا بھید کھولنا نہ چاہا تھا اس روایت کو بعض عیسائیوں نے بہت ہی رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط معلوم ہوتا ہے اگر فرض کر لیں کہ آنحضرت نے بی بی حفصہ سے نکاح کرنیکی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو یہ نہ کوئی بھید تھا اور نہ کوئی عیب تھا اس کا چھپانا نہیں سمجھ میں آتا اور پھر حضرت ابو بکر سے اس کے ذکر کرنے کے کیا معنی تھے اگر رسول اللہ فرماتے تو حضرت عمر سے فرماتے اور وہ بہت خوشی سے قبول کر لیتے کیونکہ اس سے زیادہ فخر اور کیا ہو سکتا تھا کہ رسول کریم کے سسرے بنیں۔ یہ اور ان جیسی ساری روایتیں محض بے بنیاد ہیں جنھیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ پہلے تو آنحضرت نے بی بی حفصہ کو طلاق دیدی مگر جب حضرت عمر ناراض ہوئے تو خدا کی طرف سے دوبارہ نکاح کرنے کی وحی اُتر آئی اور اس کے بعد آپ نے بی بی حفصہ کو اپنے گھر بلالیا۔ یہ باتیں مہمل اور خلاف قیاس ہیں حدیث کی کسی مستند کتاب میں طلاق دینے کا مطلق ذکر نہیں ہاں ابن ماجہ میں ضرور طلاق کا ذکر ہوا ہے اور اس حدیث کا راوی سلمہ بن کہیل ایک شیعی مذہب کا شخص ہے جس کی روایت پر حضرت بی بی حفصہ کی نسبت ہو ہرگز اعتبار نہیں ہو سکتا نہ کوئی وحی اُتری جس نے طلاق کے بعد دوسرا نکاح جائز کر دیا ہو۔ آپ کے بعض نامور واقعات کا بیان چونکہ حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی میں آگیا ہے اس لئے دوبارہ مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ سے بھی چند احادیث کا پتہ چلتا ہے کہتے ہیں کہ آپ کی روایت سے صرف ۶۰ حدیثیں منقول ہیں۔

حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

آپ زمانہ جاہلیت میں اپنی فیاضی اور غربا پروری میں ام المساکین مشہور تھیں آپ قبیلۂ بنو ہلال میں سے ہیں آپکے والد کا نام خزیمہ بن حرث اور والدہ کا نام مند بن عوف تھا پہلے آپکی شادی عبداللہ بن جحش سے ہوئی تھی جن کے انتقال کے بعد ۳ سنہ ہجری کو آپنے رسول مقبول سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے وقت آپکی عمر ۲۹ سال کی تھی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۶ سال کی صرف آٹھ مہینے آپ رسول کریم کے گھر میں رہیں اور سنہ ہجری میں وفات پاگئیں۔ آپ کی عمر بوقت وفات ۳۰ سال کی تھی اور آپ کی پیدائش ۲۶ سنہ ہجری میں ہوئی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۲۳ سنہ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔ آپ کا اصلی نام ہند تھا اور آپ کی والدہ کا نام عاتکہ تھا آپ قبیلہ بنو کنانہ میں سے تھیں یہ وہ عاتکہ نہیں ہیں جو عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت کی پھوپی تھیں آپکے والد کا نام ابو امیہ تھا اور انھیں خدیفہ بھی کہا کرتے تھے آپ عرب کے مشہور سواروں میں مشہور تھے۔

حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر کا نام ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی تھا آپ اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہو کے حبشہ ہجرت کر گئی تھیں وہاں آپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کا نام زینب رکھا اسکے بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام درہ رکھا۔ ان کے علاوہ دو لڑکے سلمہ اور عمر بھی پیدا ہوئے۔ ابو سلمہ نے جب ۴ سنہ ہجری میں وفات پائی تو حضرت ام سلمہ کا نکاح حضرت رسولخدا سے ہوگیا۔ آپ کی عمر ۲۶ سال کی اور آنحضرت کی عمر ۵۸ سال تھی آپ نے ۸۴ سال کی عمر میں ۶۳ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ آپ پر بہت نکتہ چینیاں کی گئی ہیں وہ اگرچہ سب بیہودہ اور بیچکارہ ہیں پھر بھی ہم ان میں سے ایک نکتہ چینی نقل کرتے ہیں جس پر معترض بہت ہی اچھلتے کودتے ہیں اور وہ نکتہ چینی یہ ہے

کہ جب حضرت ام سلمہ کے خاوند کا انتقال ہوگیا تو آپ رسول خدا کی خدمت میں گئیں اور عرض کیا مجھے کوئی چیز ایسی بتائیے کہ میں شب و روز پڑھا کروں آپنے اُنھیں یہ دعا بتائی اللھم اغفر لی ولہ واعطینی منہ عقبا حسنۃ ”یعنی اے رب مجھے اور میرے شوہر کو بخشدے اور اُسکے بعد مجھے اچھا خاوند ملا۔ جب عدت کے دن پورے ہوگئے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے باری باری سے درخواست کی مگر ام سلمہ نے منظور نہ کی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست کی تو آپنے کہا واہ رسول خدا آپ نے خوب درخواست کی میں بڑی عمر کی ہوں اور میرے یتیم بچے ہیں اور مجھے نکاح کرنے سے بھی شرم آتی ہے اسکے سوا تیرے پاس تو بہت سی عورتیں موجود ہیں نہ میرے رشتہ داروں میں سے کوئی موجود ہے جو میرا نکاح تیرے ساتھ کرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میری عمر تجھسے زیادہ ہے تو یتیموں کا کیوں فکر کرتی ہے خدا اور رسول اُن کی پرورش کرینگے اور شرم کی بابت جو تو نے کہی سو میں دعا کرونگا اور خدا تیری شرم کو کھو دیگا اور جو تو اپنے کسی رشتہ دار ہونے کی بابت کہتی ہے تو یہ سمجھ لے کہ اگر کوئی تیرا رشتہ دار بھی ہوگا جب بھی میرے ساتھ نکاح ہونے پر ناراض نہ ہوگا“ یہ ہے روایت جسے عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس سے آنحضرت کی نفس پرستی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ غور کرنیکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہی سرتاپا غلط ہے۔ حضرت بی بی ام سلمہ کا قول خود اس کے غلط ہونیکی شہادت دیرہا ہے پہلے جملوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نکاح کی درخواست سخت ناگوار معلوم ہوئی پھر آپنے نامنظوری ظاہر کی اور بعد ازاں راضی ہوگئیں۔ عجب متضاد بیان ہے جو مطلق نہیں سمجھ میں آتا۔ دوسری یہ روایت کہ وہ رسول مقبول کے پاس گئیں کہ مجھے کچھ پڑھنے کی تعلیم کریں تو آپ نے قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں بتائی حالانکہ آپ کا شیوہ یہی تھا کہ آپ ہر شخص کو قرآن مجید کی تعلیم کیا کرتے تھے کبھی آپنے غیر قرآن مجید کسی وظیفہ کے پڑھنے کے لئے نہیں فرمایا وہاں جھاڑ پھونک نہ تھی بلکہ توحید کی تعلیم تھی اور بس اور اگر فرض کرلیں حضرت بی بی ام سلمہ عدت ختم ہونیسے پہلے ہی دریافت کرنے چلی گئیں اور آنحضرت

یہ دعا بتادی بھی ہو توخبر نہیں کیا قباحت لازم آتی ہے لڑکیوں اور جوان عورتوں کو ہمیشہ نیک خاوند ملنے کی دعا مانگنی چاہیئے عورت کے لئے اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ خاوند نیک ہو خاوند اگر نیک ہے تو اُسے جنت ہی نہیں بلکہ سلطنت ہے اور اگر بد ہے تو اُس کے لئے دنیا ہی میں دوزخ ہے فی الحقیقت جس چیز پر عورت کی زندگی کا دارومدار ہو اس کے نیک ہونے کی ضرور دعا مانگے۔ رہا اپنی شرم اور رشتہ داروں کی غیر موجودگی کی بابت کہنا تقاضائے فطرت اور تمدن ہے ہر جگہ دستور ہے کہ جب تک دولہ دلہن کے رشتہ دار یا والدین نہیں بیٹھتے نکاح نہیں ہوتا اسی بنا پر بی بی ام سلمہ نے اپنے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا غرض اسی قسم کے لچر اور پوچ اعتراض کچھ وقعت نہیں رکھتے اسلئے ہم انپر زیادہ بحث بھی نہیں کرنا چاہتے اور دوسری ام المومنین کا ذکر لکھتے ہیں

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۳۳ سنہ قبل ہجری میں ہوئی۔ آپکے والد کا نام جحش تھا اور آپکی والدہ کا نام امیمہ تھا اور امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی تھیں پہلی دفعہ اُن کا نکاح سنہ ہجری کے شروع میں زید بن حارثہ سے ہوا ۵ سنہ ہجری میں زید نے اُنھیں طلاق دیدی اور پھر عدت کے ختم ہونیکے بعد آنحضرت نے اُن سے نکاح کرلیا اسوقت بی بی زینب کی عمر ۳۸ سال کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۸ سال کی تھی چھ سال یعنے وصال کیوقت تک آپ پیغمبر خدا کی زوجیت میں رہیں اور حضور انور کے وصال کے بعد انتقال کیا۔

بی بی زینب کے خسر کا نام شراحیل اور ساس کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ تھا جو قبیلہ بنی معن قبیلہ بنی طے میں سے تھیں ایام جاہلیت میں جب سعدیٰ اپنے بیٹے زید کو لیکے جسکی عمر ۸ سال کی تھی کہیں سفر کر رہی تھیں تو رستہ میں قوقین نے ان پر حملہ کیا اور زید کو پکڑ کے عکاظ کے بازار میں بیچنے کو لائے حکیم بن حزام نے چار سو درہم کو خرید کے اپنی پھوپی خدیجہ بنت خویلد کو دیدیا حضرت بی بی خدیجہ نے زید کو حضور انور کی خدمت

میں پیش کیا آپنے فوراً لیکے آزاد کردیا۔ اتفاقاً زید کے چچا اور باپ مکہ میں آئے اور زید کو پہچان لیا اور چاہا کہ فدیہ دیکے زید کو اپنے ساتھ لیچلیں مگر زید نے جانے سے انکار کردیا۔ اور حضور انور ہی کی خدمت میں رہنا پسند کیا اسوقت رسول خدا نے عرب کی رسم کے مطابق زید کو متبنی بنالیا۔

حضور انور نے پہلے زید کا نکاح ام ایمن سے کردیا جس سے زید کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اُس کا نام اسامہ رکھا گیا پھر ام ایمن کا انتقال ہوگیا تو آنحضرت نے بڑے اصرار سے زید کا نکاح زینب بنت جحش سے کردیا۔ زینب ایک عالی خاندان بی بی تھیں اور آپ اپنی قدیم رسم ورواج اور خاندانی تکبرو نخوت کی بنا پر ہرگز ایک غلام سے خواہ وہ حضور انور کا متبنی ہی کیوں نہ ہو نکاح کرنا نہیں چاہتی تھیں مگر آنحضرت کو اس پر اصرار تھا اور اصرار کی یہ حکمت تھی کہ عرب میں سے وہ مغائرت اُٹھ جائے جو آزاد اور غلام میں پائی جاتی ہے کیونکہ غلام ہونا درحقیقت کوئی قدرتی عیب نہیں ہے بڑے بڑے آزاد شاہ اور ایک وسیع سلطنت کے مطلق العنان حکمران چرخ نیلوفری کی ایک ہی گردش سے غلام بنالئے گئے ہیں اور سوائے اسکے انھیں چارہ نہیں ہوا ہے۔ کسی شخص کو جو حسب اور نسب میں نجیب ہے زبردستی پکڑکے دوسری جگہ فروخت کردینے کا نام غلامی ہے۔ عرب ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ رومتہ الکبری اور سلطنت مشرقی میں بھی غلاموں کی بہت بُری کیفیت تھی۔ ہندوستان میں اُس سے زیادہ خوفناک مظالم غلاموں کی بے گناہ جان پر توڑے جاتے تھے اُن سے شادی بیاہ کرنا تو کجا مثل جانوروں کے برتاؤ کرتے تھے اُنکی جانیں ایک جانور کی جان سے زیادہ قیمتی نہ تھیں۔ غرض انسان کی اس شرمناک حالت کو کھونے کے لئے آپنے پہلے تو اسے اپنا متبنی بنایا اور پھر ایک اعلی درجہ کی شریف زادی سے اُس کا نکاح کردیا اگرچہ زینب اپنی عالی خاندانی کیوجہ سے اور اُس قدیمی نخوت کی حیثیت سے جو اُسکے خاندان میں ملی ہوئی تھی زید سے نکاح نکرنا چاہتی تھیں مگر جبکہ قرآن مجید نے فیصلہ کردیا تھا کہ رسول کے فیصلہ سے جو دلتنگ ہو وہ مسلمان نہیں ہے اور بی بی زینب چونکہ بطیب خاطر مسلمان ہوگئی تھیں اسلئے مجبوراً اُنھوں نے رضامندی

ظاہر کی اور زید سے اُن کا نکاح ہو گیا۔

تعمیل حکم کے بعد پھر اُسی قدیمی خون کے اثر نے اپنا رنگ دکھایا اور آپ اپنے خاوند کو بُری نظروں سے دیکھنے لگیں خاوند بی بی کی نااتفاقی طرفین کے لئے دنیا ہی میں دوزخ بنجاتی ہے زید اپنی مغرور بی بی کی اُکھیڑ پچھاڑ سے تنگ ہو ہو کے حضور انور سے شکایتیں کیا کرتا تھا کہ میری جان ضیق میں ہے میں تنگ آگیا ہوں اور دم ناک میں ہے آپ یہی ارشاد کرتے تھے کہ تو آشتی اختیار کرلے اور کبھی طلاق دینے کا نام نہ لیجو ساتھ ہی آپ زینب کو بھی ملکے رہنے کو فرماتے اور دونوں کو صلح کیطرف مائل کرتے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ آپ زینب کے اس اثر کو کھو سکتے جو بطور ورثہ پشت ہا پشت سے اُسے پہنچا تھا اور ایسا اثر بغیر کئی پشتیں گزر جانیکے کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا تھا۔ جب پانی سر سے گزر گیا اور زید کی زندگی محال ہو گئی تو ناچار زید نے طلاق دیدی اور عدت کے ختم ہونیکے بعد رسول کریم اس سے نکاح کرلیا۔؟

سچی کیفیت تو زینب کے نکاح کی یہ ہے جو ہم نے بیان کی۔ قرآن سے اس کا ثبوت ہے حدیثیں اسکی شاہد ہیں اور تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے مگر بعض مفسروں کی غلط فہمی سے حضور انور کی اطہر و اقدس ذات پر جو جو نکتہ چینیاں ہوئی ہیں وہ واقعات ہی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ سخت شرمناک ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ معترض کیوں ایسا اندھا ہو کے اعتراض کرتا ہے اور نکتہ چینی کرتے وقت کیوں تہذیب اور شائستگی کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے ہم اس نکاح کی فطرت پر ایک بسیط بحث کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ نکاح جو محض قانون قدرت اور اعلیٰ درجہ کے تمدن کی بنیاد پر ہو کسی طرح بھی نکتہ چینی کرنیکے قابل نہیں ہے۔

پہلا اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ حضور انور نے اپنی بہو یعنے اپنے متبنی بیٹے کی بی بی سے نکاح کیا اور ایسا فعل ایک نبی کی شان سے کسقدر مستبعد ہے۔ بمعمولی توجہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ بہو کی حالت یا بیٹے کی بی بی ہونے کیحالت اُسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک بیٹے کا تعلق ہو اور جب تعلق منقطع ہو چکا ہو اور طلاق کی قینچی نے مناکحت کے رشتہ کو کاٹ دیا ہو تو پھر اُس عورت پر بہو کا اطلاق کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا

اب وہ بالکل آزاد عورت ہے اور ہر شخص سے باستثنائے بعض رشتہ داروں کے نکاح کر سکتی ہے اور یہ نکاح اُس کا ہر طرح جائز ہوگا۔ عرب میں اگرچہ یہ دستور تھا کہ منہ بولے بیٹے اور منہ بولی بہن صلبی بیٹوں اور سگی بہنوں کے برابر خیال کیجاتی تھیں مگر یہ اُنکی سخت حماقت اور غلطی تھی کوئی غیر عورت کبھی زبانی بہن بننے سے کسی قانون میں بھی اسوقت تک بہن نہیں ہوسکتی یا کوئی متبنیٰ بیٹا قیامت تک صلبی بیٹے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اسلام نے متبنیٰ بیٹے کو زیادہ وقعت نہیں دی ہے اور کچھ اسلام ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور قوموں میں بھی صلبی بیٹوں کے مقابلہ میں متبنیٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہنود کے قانون میں اگر کسی شخص کے ہاں متبنیٰ کرنے کے بعد بیٹا پیدا ہو تو وہ بھی ضرور باپ کی جائداد کا حصہ دار بنے گا مگر اسلام نے ان رشتوں کو زیادہ وقعت سے کبھی نہیں دیکھا۔ سمجھ میں آسکتا ہے جب زینب سے زید کا تعلق قطع ہو چکا ہو پھر وہ حضور انور کی بہو کیونکر رہی۔ یہ ایک عجیب بے معنی اعتراض ہے جو کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہوسکتا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ رسول خدا کی خواہش یہ تھی کہ زید کسی طرح طلاق دیدے تو میں اُس سے نکاح کرلوں اسکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ اور بعض مفسروں نے اسکو خوب رنگآمیزی کر کے اور فرضی روایتوں کی بنا پر اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے اور اسی لئے عیسائیوں کو نبی معصوم کی ذات پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے حالانکہ جو فرضی روایتیں کہ بعض مفسروں نے تراشتی ہیں اُنکو کلام مجید کے سیاق کلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے آنحضرت کا آسمان پر جبریل فرشتے کی گواہی پر نکاح ہونا اور آپ کا زینب کو برہنہ دیکھ لینا اور اُس پر عاشق ہو جانا یہ سب چڑیا کی کہانیاں ہیں جنھیں واقعات سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے کوئی ناداں سے ناداں شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ عورت خواہ کیسی ہی خوبصورت کیوں نہو کبھی برہنگی کیحالت میں وہ خوشنما ہوسکتی ہے؟ عورت کی خوبصورتی لباس ہی سے منحصر ہے اور لباس ہی اُس میں صدہا خوبیاں پیدا کر کے اُس کے اصلی عیبوں کو ایک حد تک چھپا دیتا ہے۔ پھر نہیں خیال ہوسکتا کہ زینب میں برہنگی کیحالت پر کیونکر اتنا حسن پیدا ہو گیا اور نبی معصوم جنھوں نے اُسے پرورش کیا تھا اور آپ ہی کی آ

کے سامنے وہ سن بلوغت کو پہنچی تھی فریفتہ ہو گئے ناممکن نہیں تو محال عقل ضرور ہے قرآن مجید
میں اس کا ذکر آیا ہے اور قرآن مجید کی بعض آیات کے الفاظ سے مفسروں نے عجیب عجیب
معنی تراشے ہیں جو کسی طرح بھی موزوں نہیں ہیں قرآن مجید کی پوری آیت یہ ہے

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی
نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فلما قضٰی زید منہا وطرا
زوجنٰکہا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائہم اذا قضوا منہن و
طرا وکان امر اللہ مفعولا ما کان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ سنۃ اللہ فی الذین خلوا
من قبل وکان امر اللہ قدرا مقدورا یعنی اے پیغمبر تم اس بات کو یاد کرو کہ تم اُس شخص کو
(یعنی زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے اپنا احسان کیا کہ اسکو اسلام کی توفیق دی اور تم بھی اُس پر
احسان کرتے رہے یہ کہتے تھے کہ اپنی بی بی (زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور
اللہ سے ڈر (اور اُسکو چھوڑنیکا نام نہ لے) اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جسکو
آخیر اللہ ظاہر کرنیوالا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حقدار
ہے کہ تم اُس سے ڈرو پھر جب زید اُس عورت سے تعلق قطع کر چکا (یعنی طلاق دیدی اور
عدت کی مدت پوری ہو گئی) ہم نے تمہارے ساتھ اُس عورت کا نکاح کر دیا کہ اب مسلمانوں کے
لئے جب لے پالک اپنی بی بیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو اُن عورتوں سے نکاح کر لینے
میں کسیطرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہو ہی کر رہتا ہے اللہ نے پیغمبر کے لئے جو بات ٹھہرادی
ہو اُس کے کرنے کیلئے کچھ مضایقہ نہیں ہے جو پیغمبر پہلے ہو چکے ہیں اُن میں بھی یہی عادت
الٰہی رہی ہے کہ ان پر خدا نے نکاح کے بارے میں تنگی نہیں کی اور خدا کے جتنے کام ہیں
ایک امر تقدیری ہیں جو روز ازل سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

یہ آیت ہے قرآن مجید کی نہ جس سے برہنہ دیکھنے اور عاشق ہونیکا واقعہ ثابت ہوتا
ہے اور نہ عشق زینب کو دل میں چھپانے کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کے ایسے سادے بیان
سے فرضی روایات کی بنا پر محض دور از کار نتائج پیدا کرنا صریح نادانی اور جہالت ہے
ایک مفسر نہیں اگر لاکھ مفسر کچھ ہی کیوں نہ لکھیں وہ اُنکی ذاتی رائے ہے اور اُن کی اس ذاتی

رائے سے رسول مقبول کی ذات اقدس و اعلیٰ پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہوسکتی نہ کوئی الزام آسکتا ہے اس آیت میں صرف دو جملہ ہیں جن پر بعض مفسرین کو بہت کچھ فرضی باتوں کے بنانیکا موقع ملا ہے اول وتخفی فی نفسك ما الله مبدیہ" یعنی جس بات کو دل میں چھپاتا تھا خدا اُس کو ظاہر کرنے والا تھا اور پھر فرمایا کہ وتخشی الناس والله احق ان تخشاہ" یعنے تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے دوسرا جملہ یہ ہے فلما قضی زید منہ وطرا الی وکان امر الله مفعولا یعنے جب زید نے اُس سے اپنی حاجت پوری کرلی یا جب زید اُسے طلاق دیچکا اور عدت کے دن پورے ہوگئے تو ہمنے اُسکو تیری زوجیت میں دیا یا تیرے ساتھ اس عورت کا نکاح کردیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک بیٹوں کی جوروں کے ساتھ نکاح کرنے میں تردد نہو جبکہ وہ بی بیاں عدت کے دن پورے کرلیں خدا کا حکم تو شدنی ہے دل میں کیا بات چھپی ہوئی تھی وہ ظاہر ہوگئی یعنی متبنی بیٹے کی بی بی سے آنحضرت نے نکاح کرلیا اس میں شبہ نہیں کہ آپکو بحیثیت انسان اور مصلح ہونیکے ضرور اس بات کا اندیشہ تھا کہ عرب میں جبکہ مضبوطی سے یہ رسم جاری ہے کہ لے پالک کی بی بی کو بمنزلہ لڑکی کے سمجھا جاتا ہو تو ضرور لوگ اعتراض کرینگے اور کہیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے جو یہ فعل کرتا ہے جسے وہ اپنی دانست میں سخت معیوب خیال کرتے تھے ایسی بدگمانیوں کا آپنے ہمیشہ خیال کیا ہے اور آپنے اپنا پہلو اس قسم کی بے بنیاد باتوں سے ہمیشہ بچایا ہے مثلاً صحیح حدیث ہے کہ کعبہ کی عمارت کو دوسری صورت میں کرنا چاہتے تھے اور آپنے حضرت بی بی عائشہ سے فرمایا تھا کہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ کعبہ اس صورت سے تعمیر ہو مگر مجھے مسلمانوں کا خیال ہے مبادا وہ خیال کرنے لگیں کہ نبی ہوکے کعبہ کو ڈھاتا ہے اس وجہ سے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کعبہ کی تعمیر شروع کروں اسی طرح سے زینب کے معاملہ میں آپ کو خیال تھا کہ لوگ کیا کہیں گے اور اُنھیں اپنی صدہا سال کی رسم کے خلاف یہ بات کیسی کھٹکیگی۔ آپ دل میں یہ خیال کرتے تھے اور خوف کھاتے تھے جس طرح ایک مصلح مخلوق میں کوئی نئی بات ظاہر کرنے سے خوف زدہ ہوا کرتا ہے مگر خداوند تعالیٰ نے صاف الفاظ میں نبوت اولوالعزمی اور سچے مصلح ہونیکی شان بتادی کہ لوگوں سے خوف

کھانا بیج ہے۔ خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے۔ جس چیز کا بعدازاں ظہور ہونے والا تھا وہ ہوگیا یعنے آپ کا نکاح ہوگیا۔

اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپکو کیوں خوف محسوس ہوا اسکی وجہ کیا تھی ظاہر ہے کہ آپنے نکاح کرنے کا ارادہ پہلے ہی سے کرلیا تھا جب ہی تو خوف بھی محسوس ہوا کہ لوگ کیا کہیں گے حالانکہ یہ بات نہیں ہے آپ اصل میں اس زبوں تریں رسم کو توڑنا چاہتے جو عربوں میں خوں کی طرح ملی ہوئی تھی اور جبتک آپ کوئی عملی کارروائی کرکے نہ دکھاتے ہرگز اُس کا اثر نہ پڑتا اور لوگ ایسی قدیم رسم کو جسکو وہ انتہا درجہ اعلی درجہ کی تہذیب سمجھے ہوئے تھے کبھی نہ چھوڑتے خیال تو آپکے دل میں یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا موقع ہو تو ضرور کرنا چاہیئے یہ خیال روز بروز پختہ ہوتا جاتا تھا اخیر وہ موقع خوش قسمتی سے آگیا اب آپ کو ایسا کرنے میں تردد ہوا اور آپنے اس ارادہ کو اپنے دل میں صرف اسی بنا پر چھپا لیا کہ مبادا لوگ چونکیں اور بجائے اصلاح کے اُن میں پریشانی پیدا ہو جائے بس اس بات کو چھپا رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے روح القدس کے ذریعہ سے جتا دیا کہ کچھ خوف اور اندیشہ کی بات نہیں تجھے لوگوں سے نہیں بلکہ خدا سے ڈرنا چاہیئے تھا پھر فرمایا کہ ہمنے تیرے ساتھ اس عورت کا نکاح کردیا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم ہی کو منظور ہے کہ لے پالک بیٹوں کی بی بیوں سے نکاح جائز ہے ہم مسئلہ تقدیر میں بوضاحت ثابت کر آئے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ہر شے کے ہونے یا نہونیکی نسبت اپنے ساتھ کیا کرتا ہے اور اُسے یہ شایاں بھی ہے۔ اُس نسبت سے یہ پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہر فعل کا حقیقی فاعل ہے بلکہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اُس کا تصرف سب جگہ ہے اب یہاں یہ فرمانا کہ ہم نے اس عورت کو تمھارے نکاح میں دیدیا اسکے یہ معنی ہیں کہ تمنے بالکل ہماری مرضی کے مطابق کیا ہے اسلئے لوگوں سے خوف کھانیکی کوئی وجہ نہیں ہے جس کام میں ہماری مرضی شامل نہیں ہے اُس میں ہر شخص سے خوف کھانا چاہیئے اور جب ہماری مرضی شامل ہوگئی پھر خوف کھانے کی کیا بات ہے۔

اس آیت کے یہ معنی ہیں جس پر بعض مفسروں اور مخالفوں نے ایک طوفان بے تمیزی

مچار کھا ہے اور وہ حاشیے چڑہائے گئے ہیں کہ العظمۃ للہ بعض مفسروں نے تو یہاں تک
لکھدیا کہ خداوند تعالی خود بیٹھا جبرئیل و میکائیل گواہ بنے اور خداوند تعالے نے اپنی
زبان مبارک سے دولھا دلھن سے ایجاب و قبول کی رسم ادا کرائی یہ ساری باتیں مضحکہ خیز
ہیں نہ قرآن سے نہ حدیث سے ثابت نہ عقل اسکی شاہد۔ اسی زینب کے معاملہ کو جسکی
حقیقت کچھ بھی نہیں اسقدر طول دیا گیا ہے اور مخالفین اسلام نے وہ وہ کتابیں شایع
کی ہیں کہ خدا یاد آتا ہے۔ معاملہ کچھ بھی نہیں ہے صرف منشائے باری یہ تھا کہ یہ شنیع
رسم عرب ہی سے نہیں بلکہ دنیا سے اکھڑ کے پھک جائے اس کام کے لئے اُس نے
اپنے معصوم نبی کو چن لیا اور عملی صورت میں کرا کے دکھا دیا تاکہ پھر چون و چرا کی گنجایش
ہی نہ رہے۔ بہتیرا سوچا مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ زینب کے نکاح پر جس کا اسقدر شور و غوغا
مچا ہوا ہے کیا اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ مخالفین اسلام نے غیر معتبر کتابوں کے حوالہ سے
بڑی ہی بازاری اور خلاف تہذیب اعتراض اس پہلو سے کئے ہیں اور اپنے خیالات میں
گویا اُنھوں نے کامیابی حاصل کی ہے کوئی معترض کسی تفسیر کا حوالہ دیتا ہے اور کوئی کسی
غیر معتبر فارسی کی کتاب کا مثلاً ایک عیسائی نے روضۃ الاحباب میں سے یہ عبارت نقل
کی ہے "چون از خدائے تعالی معلوم کردہ بود کہ زینب داخل ازواج وے خواہد بود خاطر مبارکش
میخواست کہ زید وے را طلاق دہد ولیکن شرم میداشت کہ او را امر کند بطلاق زینب و نیز ازاں
می اندیشید کہ مردم گویند کہ زن پسر خواندہ خود را میخواہد و حال آنکہ در جاہلیت زن کسیرا کہ
منسوب بہ پسرے میکردند حرام دانستند ہمچو زن پسرے صلبی خود" اسی قسم کی اور بہت
سی روایتیں ہیں جو نری بکواس ہیں اور جنھیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے روضۃ الاحباب
ہو یا روضۃ الصفا۔ ابو الفدا ہو یا ابن خلدون۔ طبری ہو یا واقدی۔ ابن ہشام ہو یا
ابن اسحٰق غرض کسی مورخ کی رائے یا اسکی روایت کسی پر حجت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ
نبی کریم پر اس سے کوئی الزام قائم ہو سکے۔

بعض معترضوں نے نئی نئی باتیں گھڑی ہیں اور وہ اور بھی مضحکہ خیز ہیں چنانچہ لکھا
جاتا ہے کہ بچپن ہی سے زینب حضور انور پر عاشق تھی مگر آگے اس کا ثبوت نہیں دیا کہ یہ

روایت کیونکر معلوم ہوئی اور اگر کسی کتاب میں ایسی روایت موجود بھی ہے تو یہ تاریخ کیوں نہ معلوم ہوئی کہ زینب سے یہ یہ افعال سرزد ہوئے تھے اسلئے اُسے عشق تھا۔ رہا عشق کی یہ وجہ بتانا کہ زینب زید کے ساتھ نکاح کرنے میں راضی نہ تھی ایک زبردستی کا استدلال ہے اور اگر یہ فرض کرلیں کہ زینب عاشق تھی تو پھر عشق کا الزام رسول اللہ پر غلط ہوتا ہے یہ دونوں ایسی متضاد باتیں ہیں جن کا سر نہ پیر پھر ایک عیسائی نے یہ لکھا ہے کہ طرفین سے سلسلہ جنبانی تھی اور وہ اخیر میں یوں پوری ہوئی یہ ساری باتیں اور اس قسم کے کل خیالات لایعنی ہیں نکتہ چینی کرنیکے لئے نئے نئے الزام بناکے رسول کریم پر قائم کرنے انسانیت اور شرافت سے بعید ہیں ہم ایکبار اور زینب کے نکاح پر ایک اور دقیق نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اسکی حقیقت کیا ہے اور کیا سمجھا ہے سلمانوں نے خاص زینب کے معاملہ میں مخالفین اسلام کے خوب دندان شکن جواب دیئے ہیں مگر خدا کے فضل وکرم سے چونکہ میں بھی مسلمان ہونیکا فخر رکھتا ہوں اسلئے مجھے بھی جواب دینا لازمی ہے خواہ وہ جواب اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کیسے ہی پایہ کا کیوں نہ ہو۔

جب حضور انور نے ملاحظہ کیا کہ ماں بہن یا بیٹے بیٹی کے خالی الفاظ کا بہت ہی خیال کیا جاتا ہے اور اس سے تمدن اسلامی میں اگر یہ بات قائم رہی تو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے آپنے اس قبیح رسم کو نیست ونابود کرنیکے لئے یہ کارروائی کی اگر یہ نہوتا تو سخت تباہی آتی اور شدید آفت نازل ہوتی۔ رسم یہ تھی کہ اگر کسی شخص نے بھولے یا غصے یا مذاق میں اپنی بی بی کو یہ کہدیا کہ تو تو میری ماں یا بیٹی کے برابر ہے تو فوراً بی بی نکاح سے خارج ہو جاتی اور پھر کبھی مناکحت نہ ہوسکتی تھی۔ اگر کسی جوان لڑکی کو بیٹی کہہ لیا تو پھر اس سے مناکحت کسی طرح بھی جائز نہ ہوسکتی تھی۔ انصاف سے خود ہی دل میں فیصلہ کرلو کہ جس خاندان یا قوم میں یہ کیفیت ہو وہ سلامت ہی کب رہ سکتی ہے اُس میں شب وروز فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے اور بلاشبہ اسکی زندگی میں خطرہ ہی خطرہ ہے حضور انور نے اس پرخطر حالت کو بخوبی محسوس کرلیا تھا اور جو باہمی نااتفاقیاں پڑرہی تھیں وہ ملاحظہ فرمالیں تو آپ اپنی ناواقف قوم پر رحم فرماکے اس امر کے درپے ہوئے کہ کسی طرح اس رسم کو دنیا سے

شادیا جائے یہ کام فی الحقیقت آسان نہ تھا اور یہ اُسیقدر مشکل تھا جتنا کعبہ میں سے
بتوں کا نکالنا بظاہر یہ رسم بہت ہی خوشنما اور مہذب معلوم ہوتی تھی کہ ایک شخص کو جب
زبان سے بیٹا کہہ لیا تو وہ بیٹا ہوگیا یا بیٹی کہا تو وہ بیٹی ہوگئی مگر جو خرابیاں اسمیں چھپی ہوئی
تھیں اُنکو سوائے اُس آنکھ کے جس میں روح القدس کی روشنی ہو اور انوار الٰہی کی چمک ہو
اور کون دیکھ سکتا ہے آپنے اس خرابی کو بغرض پورے طور پر محسوس کرلیا اور اب اسکی بیخکنی
کے درپے ہوئے۔ آپ اس امر کی تلاش میں تھے کہ کوئی موقع عملی کارروائی کرنے کا ملے
کیونکہ بغیر عملی کارروائی کئے ممکن نہ تھا کہ دوسروں پر اُس کا اثر پڑتا۔ چونکہ روح القدس
روز پیدائش سے آپکی ہمقرین رہتی چلی آئی تھی وہ بار بار آپ کو امید دلاتی تھی کہ یہ موقع ہوگا
چونکہ اتفاق سے زید نے زینب کو طلاق دی اور اس وقت آپ کو اپنے قدیم خیال میں
کامیاب ہونیکا موقع ملا اور آپنے فوراً نکاح کرکے بتادیا کہ منہ بولے بیٹے کی بی بی جب
اُسے طلاق ملجائے نکاح میں آسکتی ہے اب یہ اعتراض کہ نکاح کیوقت کوئی وکیل نہ تھا
محض لچر اور پوچ ہے بلکہ اس وکیل نہونے میں بھی بڑی حکمت بالغہ مضمر ہے آپنے اپنی
اُمت کو تعلیم فرمائی ہے کہ اگر کہیں ایسا اتفاق ہو کہ گواہ وکیل میسر نہ آسکتے ہوں تو ایجاب و
قبول کافی ہے اور خداوند تعالیٰ کی گواہی بس ہے اسلام کو دنیا کے اور ادیان پر اسی لئے
شرف حاصل ہے کہ اس میں ہر متنفس آزاد کیا گیا ہے کسی ماتمی یا شادی کی تقریب ادا
کرنے کے لئے نہ کسی پیشوا کی ضرورت ہے نہ قاضی کی محض رسم کے طور پر کسی قاضی
کا نکاح کے بلا لینا دوسری بات ہے مگر مذہباً کوئی مسلمان اس کا پابند نہیں کیا گیا ہی
کہ قاضی ہو تو نکاح ہو ورنہ ہو ہی نہ سکے اگر بدقسمتی سے یہ حکمتیں کوئی نہ دیکھ سکے تو اسکی
بینائی کا قصور ہے ورنہ حکمت میں سر مو تفاوت نہیں ہے۔

نکاح کے بعد آپنے بہت بڑا ولیمہ کیا اور مسلمانوں کی دعوت کی۔ اس دعوت پر عجیب
عجیب الزام رسول کریم کی اقدس و اطہر ذات پر قائم کئے ہیں جن کا سر نہ پیر اور یہ الزام
ایسے بے بنیاد اور ہوائی ہیں کہ ادنیٰ توجہ کے بعد انکا بے معنی ہونا سمجھ میں آسکتا ہی
بعض نامہذب اور اخلاق انسانی سے بے بہرہ کرسٹانوں نے یہ لکھا ہی کہ ولیمہ کے دن

مسلمان کھانا کھا کے جم گئے اور انھوں نے باتیں کرنی شروع کردیں رسول اللہ بیتاب
ہوئے جاتے تھے کہ یہ کسی طرح سے اُٹھ کے جائیں مگر وہ جنبش نہیں کھاتے رسول اللہ
بار بار اپنی ازواج کے پاس جاتے ہیں اور انکا آ کے سلام کہتے ہیں مگر وہ ایک نہیں
سنتے اور جمے بیٹھے ہیں اخیر خدا خدا کر کے اُٹھے اور رسول اللہ زینب کے حجرہ میں داخل ہوئے
اور جلدی سے کواڑ بند کر لئے پیچھے سے ابو ہریرہ اور طلحہ دوڑے ہوئے آئے اور
اُنھوں نے رسول اللہ کو مشغول پا کے افسوس کیا اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے واپس
پھر کے چلدیئے اس پر فوراً بعد ازاں آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے "اے مسلمانو
نبی کے گھر میں نہ آیا کرو جبتک تمھیں حکم نہ ملا کرے کھانا پکنے کی انتظاری میں نہ بیٹھے رہا کرو
جب تک تمھیں نہ بلایا جائے نہ آیا کرو اور جب کھانا کھا چکو تو ادہر ادہر چلے جایا کرو باتوں
میں دل لگا کے نہ بیٹھا کرو ان باتوں سے نبی کو ایذا ہوتی ہے اور اُسے شرم آتی ہے مگر
خدا سچ بات سے شرم نہیں کرتا اور جب نبی کی بی بیوں سے کوئی بات کرنی ہو یا کچھ چیز
مانگنی ہو تو پردہ کے باہر کھڑے ہو کے مانگ لیا کرو" اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ اس ولیمہ کی تقریب ہرگز اسکی شانِ نزول نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں اول ہی یہ
فرمایا گیا ہے کہ بغیر اجازت کے نبی کے گھر نہ آیا کرو حالانکہ ولیمہ کے دن سب کو دعوت کے لئے
مدعو کیا گیا تھا نہ بلانا سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر فرمایا گیا کہ کھانا پکنے کی انتظاری میں نہ بیٹھا کرو
حالانکہ خاص مسلمانوں کی دعوت کے لئے کھانا پکایا گیا تھا پھر اُسکی انتظاری میں بیٹھنا کیسا
یہ ساری باتیں محض تعصب اور حسد سے بنائی گئی ہیں ورنہ اعتراض کی ان میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی
آپ کا گھر چونکہ بے گھروں کے لئے کھلا ہوا تھا اور اکثر نگہرے اور بھوکے آپکے ہاں
آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور چونکہ وہ لوگ جنگلی اور وحشی ہوتے تھے اُنھیں نبی کریم کے گھر
میں بیٹھ جانا اور کھانا کھا لینے کے بعد باتیں کرنا کوئی نازیبا بات نہ معلوم ہوتی تھی اس لئے
محض از راہ نصیحت اُنھیں تہذیب سکھانیکے لئے یہ باتیں کی گئی ہیں تاکہ نبی اور امہات المومنین
کا ادب اور آداب ملحوظ رکھیں اور دنیا میں ایک شائستہ قوم بنجائیں اور اُنھیں معلوم ہوجائے
کہ اپنے سچے پیشوا کی کیونکر تحریم اور عزت کیا کرتے ہیں آپ کی تعلیم اور قوم کی حالت کا پورا

نقشہ قرآن مجید میں کھینچ دیا گیا ہی جہاں فرمایا ہے کہ ہمنے بے پڑھے لکھوں یا جاہلوں میں ایک رسول بھیجا جو اُنکا تزکیہ کرتا ہے جو اُنھیں شائستگی اور تہذیب کے قواعد سکھاتا ہی جب وہ لوگ محض اُمّی تھے جن کے امّی ہونے کی شہادت خداوند تعالیٰ بھی دیتا ہے تو اُن سے خلاف تہذیب امور سرزد ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی۔ بغیر اجازت کسی کے گھر میں چلے آنا اور کھانے کی انتظاری میں بیٹھے رہنا اور جانیکا نام نہ لینا یہ ایسے افعال ہیں جو دنیا کی کسی قوم میں بھی مستحسن نہیں گنے جاتے اگر رسول خدا نے ان قبیح امور کے ترک کرنے کی تنبیہ فرمائی تو اس میں اعتراض کے قابل کونسی بات ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ زینب سے نکاح کرنے میں جو حکمتیں تھیں وہ حسب ذیل ہیں (اول) یہ ثابت کر دینا کہ اسلام غلام کو ہرگز حقارت سے نہیں دیکھتا (دوم) لے پالک بیٹے کی بی بی سے طلاق اور عدت ختم ہونے کے بعد مثل معمولی عورتوں کے نکاح ہو سکتا ہے۔ (سوم) صرف زبان سے کیسکو بیٹا کہلینا کوئی وقعت نہیں رکھتا (چہارم) بغیر قاضی اور گواہوں کے بھی نکاح ہو سکتا ہے (پنجم) اعلیٰ درجہ کی بات کرنے میں اگر قوم بھی مخالف ہو جب بھی جوانمردی سے اُس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے (ششم) حق بات کہنے میں کسی سے خوف نکرنا چاہیئے (ہفتم) نکاح کرنے میں کوئی امتیاز قومی نہیں ہی۔ غرض اسیطرح سے صدہا حکمت کی باتیں مضمر ہیں اور سمجھنے والا خوب سمجھ سکتا ہی۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ سخت سے سخت ناملائم الفاظ ہرگز حق پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ کسی زبان پر قفل نہیں لگا ہوا ہے نہ مہر ہو رہی ہے ہر شخص بہت آزادی سے چاہے جو کچھ کہہ سکتا ہے مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اپنی اس خداداد آزادی سے کہانتک کام لے سکتا ہے اور اُسے کس حد تک تہذیب کے دائرے میں پابند رہنا چاہیئے اور اُس کا قول کس حد تک قابل تسلیم ہو سکتا ہے فرض کرو کہ ایک ادنیٰ درجہ کے تیلی تنبولی نے ایک شہنشاہ اسلام کی شان میں جس کا کلمہ کروڑوں مخلوق خدا پڑھتی ہے ناملائم الفاظ کہدیئے کیا اُس سے اسکی اقدس واطہر ذات پر کچھ الزام آ سکتا ہے؟ استغفر اللہ ہرگز نہیں بلکہ ایسی گندی باتوں سے لکھنے والے اور کہنے والے کی تہذیب اور شائستگی

کا نمونہ معلوم ہو جاتا ہے اور کھلجاتا ہے کہ قائل انسانی ادنی رذالت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے بلکہ عین انسانیت کے دامن پر ایسا داغ ہی کہ کبھی نہیں مٹ سکتا اور جسکی سیاہی روز بروز عیاں ہوتی جائیگی۔ زینب کے نکاح میں کوئی بھی معمولی بات نہیں ہے جسے عیسائیوں نے محض اپنی کور باطنی سے ہوا بنا رکھا ہے صرف اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ آنحضرت نے اپنے لے پالک بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ جب طلاق ہو چکی ہو اور عدت کے دن گزر چکے ہوں پھر وہ پالک بیٹے کی بی بی رہی کہاں وہ بالکل ایک آزاد عورت ہے اور سوائے باپ بھائی چچا وغیرہ اُس سے ہر شخص نکاح کر سکتا ہے۔ زینب کا قصہ بس اسیقدر لکھنا تھا جو ہم لکھ چکے۔ ہمارے خیال میں خصم کے لیئے یہی کافی ہوگا۔ زیادہ طول دینا غیر ضروری سمجھکر ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ حارث کی بیٹی تھیں آپکے پہلے خاوند کا نام ذوالشفر بن تھا۔ یہ شخص غزوہ بنی المصطلق میں مسلمانوں کے مقابلہ میں مارا گیا تھا۔ آپنے آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی اور مسلمان ہوگئیں آپ بڑی عبادت گزار اور خاموش بی بی تھیں ہمیشہ روزے رکھتیں اور نماز و قرآن پڑھتی تھیں آپ کا نکاح بہت بڑی سیاسی بنا پر مبنی تھا اور اس نکاح کا عجیب و غریب نتیجہ برآمد ہوا تھا۔ بنی المصطلق کے سردار حارث ابن ضرار نے جب بلا وجہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کی اور تاخت و تاراج شروع کی تو ناچار رسول کریم نے بھی آمادگی ظاہر فرمائی خوب لڑائی ہوئی اخیر بنی مصطلق مغلوب ہوئے اور قانون جنگ کے موافق عورت و مرد سب گرفتار کر لئے گئے اور اُنکی باہم مسلمانوں میں تقسیم ہوگئی۔ اور بہت سے سرکش ایسے بھی تھے جنھیں سزائے موت دی جاتی۔ آپ چاہتے تھے جس طرح ہو باہمی اتحاد قائم ہو اور خیر قومیں شیر و شکر ہو جائیں آپ اسی فکر میں تھے کہ حضرت جویرہ بنت حارث آئیں اور اپنی شکستہ حالی عرض کی اور بیان کیا کہ میرا خاوند اس جنگ میں مارا گیا میں حارث قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں میں ثابت بن قیس کے حصّہ میں آئی ہوں حضور سے فریاد کرتی

ہوں کہ مجھے ثابت کے پاس سے علیحدہ کر کے اپنی سرپرستی میں لیا جائے اور میری بی بی کے عوض ثابت کو میرے خرمے کے چند درخت جو مدینہ میں ہیں دیدیئے جائیں آپنے اُسکی غریبی پر رحم فرماکے اُسکے معروضہ پر توجہ فرمائی اور ثابت کو بلاکے کہاکہ یہ عورت اپنی آزادی تجھسے اُن خرموں کے درختوں کے بدلے خریدتی ہی کیا تو قبول کرتا ہی اس نے بخوبی منظور کرلیا اور جویریہ کو آزاد کردیا حضور انور نے رحم فرماکے اُس سے نکاح کرلیا اس نکاح کرنے کا قوم پر یہ اثر ہوا کہ جتنے قیدی بنی مصطلق تھے سب رہا کر دیئے گئے اور کل مال غنیمت واپس دیدیا گیا اور دونوں قوموں میں انتہا درجہ اتحاد پیدا ہوگیا۔ اس نکاح میں یہ بہت بڑی حکمت تھی خیال ہوسکتا ہی کہ وہ نکاح کیسا مبارک نکاح ہی جسکے باعث دو قوموں میں بھائی چارہ قائم ہوا اور صدہا آدمیوں کی جان بچ جائے آپ کے نکاح کی نسبت بھی بہت سی فضول اور لایعنی باتیں بیان کی گئی ہیں اور بہت سی اُلٹی سیدھی روایتیں مشہور ہیں لیکن وہ سب بیہودہ اور غلط ہیں منجملہ اُنکے ایک یہ روایت مشہور ہے کہ بنی مصطلق پر فتح پانے کے بعد آنحضرت بی بی عائشہ کے ساتھ ایک چشمہ آب پر بیٹھے تھے کہ سامنے سے جویریہ آئیں چونکہ یہ ایک خوبصورت بی بی تھیں حضرت عائشہ نے دیکھتے ہی کہا کہ حضرت ضرور اسے اپنے نکاح میں لائیں گے چنانچہ آنحضرت نے فوراً نکاح کی غرض ظاہر کردی۔ یہ بھی عجیب تاریخ ہی کہ جس کا سر نہ پیر کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنی مصطلق میں رسول کریم کے ہمراہ گئی ہوں کوئی شخص اسے ثابت نہیں کرسکتا کہ فتح کے بعد آپ رسول کریم کے ساتھ ایک چشمہ پر بیٹھی ہوں اور جویریہ کی صورت دیکھتے ہی آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ رسول کریم اس سے ضرور نکاح کرلینگے یہ بہت بڑا بہتان ہے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر اُٹھایا گیا ہے اس قسم کا خیال کبھی کسی بی بی کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا ہر بی بی نکاح کو بخوبی سمجھتی تھی اور جانتی تھی ہر نکاح میں کتنی بڑی حکمت مضمر ہے۔ صحیح حدیث ہے جب کسی شخص نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپنے فرمایا کیا تو قرآن مجید نہیں پڑھتا یعنی قرآن مجید

میں آخرالزماں نبی کے اخلاق موجود ہیں کسی سے دریافت کرنیکی کیا ضرورت ہی حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے جب یہ پاکیزہ خیالات تھے اور یہ صاف باتیں تھیں پھر انکی نسبت رکیک باتوں کا خیال کرنا اور زبردستی کے الزام انکے سر چپکنا خلاف انسانیت ہی۔

ادر ایک جملہ بی بی جویریہ کے معاملہ میں رسول مقبول پر کیا گیا ہے اور وہ نامہذب اور بازاری ہے کہ دیکھکر شرم آتی ہی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آنحضرت بی بی جویریہ کے پاس آئے اور اُن سے مقاربت کرنی چاہی آپ روزہ سے تھیں آپنے روزہ توڑ وادیا یہ عجیب نالایق جملہ ہے جس کا سر نہ پیر نہ کسی روایت میں موجود نہ کسی صحیح اور معتبر تاریخ میں اسکا پتہ ساری باتیں جو مخالفوں نے ایجاد کی ہیں اُنکا کہیں بھی پتہ نہیں لگتا سوائے اسکے کہ ان باتوں کو معترضین کے خیالات کا ایک پرتو کہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

آپ بھی بیوہ تھیں جب حضور انور سے نکاح ہوا ہے آپکے پہلے خاوند کا نام عبداللہ بن حجش تھا آپکے پہلے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ آغاز اسلام میں اُم حبیبہ مع اپنے شوہر کے مسلمان ہوگئی تھیں جب مکیوں کے جور وظلم سے مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی ہی تو یہ بھی اُن مہاجرین میں تھیں۔ اور اسلام کے سچے نقوش اُنکے دل پر ہوگئے تھے ایک تو آفت رسیدہ ہو کے حبشہ گئی تھیں دوسری آفت ان پر یہ آئی کہ پردیس میں پہنچکر اُنکا شوہر عبداللہ بن حجش متزلزل ہوگیا اور اُس نے مذہب اسلام سے نفرت ظاہر کی۔ اگرچہ بی بی ام حبیبہ کو اپنے خاوند سے بہت ہی محبت تھی اور سوائے شوہر کے پردیس میں اُنکا کوئی سرپرست بھی نہ تھا پھر بھی اُنھوں نے بڑی دلیری سے روکا اور کہا کیا غضب کرتا ہے نصرانی نہ ہو اور ایسے حق دین سے پہلوتہی نکر مگر وقت یہ تھی کہ اسلام شراب خواری وغیرہ کو ناجائز قرار دیتا تھا اور حرام حلال میں امتیاز پیدا کر دیا تھا اور ایسی پاک زندگی میں رہنا خاص ایسے شخص کے لئے محال تھا جسکے خون میں بدکاری اور افعال قبیحہ کا زہر ملا ہوا ہو وہ مسلمان رہ کے کبھی ایسے افعال نہیں کر سکتا تھا۔ بی بی ام حبیبہ کے کہنے

کی اُسنے مطلق پروانہ کی اور اپنی سابق نصرانیت کیطرف بالآخر رجوع کی پھر اُسنے ام حبیبہ کو سمجھایا کہ اس پردیس میں اور کوئی تیرا سرپرست نہیں ہے تو بھی نصرانی ہوجا یہ صحیح تھا کہ بی بی ام حبیبہ پر مصیبت کا پہاڑ آپڑا تھا اور جہان آپ کی آنکھوں میں تاریک ہوگیا تھا اور اب آپ ایک اجنبی سرزمین میں بالکل بے یار و مددگار تھیں پھر بھی آپنے بڑی دلیری سے اپنی ان تمام مصیبتوں کا مقابلہ کیا اور صاف کہدیا کہ اگر تو نہیں مانتا اور نصرانی ہوتا ہے تو میں تیری زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔ عبداللہ بن حجش نے نہ مانا اور اخیر نصرانی ہوگیا۔ نصرانی ہوتے ہی تمام معائب جن سے وہ تائب ہوگیا تھا پھر اُس میں عود کر آئے اور وہ خرابات میں پڑگیا اسکی موت سخت ذلت سے ہوئی شراب میں سرمست ہوکے اخیر سخت رسوائی کے ساتھ اُس کی جان نکل گئی۔

خیال ہوسکتا ہے کہ حضرت ام حبیبہ کی اُس وقت کیا کیفیت ہوگی۔ مکہ معظمہ میں اُنپر کم مظالم نہیں ہوئے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُنھیں جلاوطن ہونا پڑا تھا پھر حبشہ میں وہ اپنے بدکار شوہر کی شومی طالع سے بے پناہ رہ گئیں پھر بھی یہ اسلام کی دلدادہ بی بی بہت مضبوطی سے اسلام پر قائم رہی اور اُسکے ایمان و یقین میں کسی قسم کا بھی تزلزل نہیں آیا۔ مٹ جانا اور برباد ہوکے مرجانا بہتر سمجھا لیکن دین خدا سے منھ نہ پھیرا۔ آپنے اپنے بدنصیب شوہر سے علیحدہ ہونیکے بعد کچھ روز سخت مصیبت میں گزارے پھر آپ قافلہ کے ساتھ مدینہ منورہ آئیں اور اپنی تمام دردناک کہانی رسول مقبول کی خدمت میں عرض کی اور کہا کہ میں بالکل بے پناہ ہوں اور صرف دین اسلام کیلئے مجھپر یہ آفتیں ٹوٹی ہیں آپ میری ڈھارس بندھوائیے اور میری سرپرستی کیجے یہ حال سُن کے آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فوراً ام حبیبہ کو اپنی زوجیت میں قبول کیا اسوقت بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ۳۰ برس کی عمر تھی آپ کی وفات سنہ ۴۴ھ ہجری میں ہوئی ۶۰ یا ۶۵ حدیثیں بھی آپ کی روایت سے منقول ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

آپ بیوہ تھیں آپ کے پہلے شوہر کا نام سلام بن مشکم تھا مگر اُس نے طلاق دیدی تھی پھر

کنانہ بن ربیع سے نکاح ہوا یہ شخص غزوۂ خیبر میں مارا گیا۔ جب قانون جنگ کے مطابق سب لوگ گرفتار ہوئے تو آپ نے صفیہ کو دیکھکر فرمایا تو آزاد کی گئی خواہ یہاں رہ خواہ اپنے رشتہ داروں میں چلی جا اُنھوں نے جوابدیا یارسول اللہ میں مسلمان ہوگئی تو پھر یہودیوں میں جاکر کیا کرونگی وہاں میری گزر کیونکر ہوسکتی ہے خواہ میرے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب اختلاف مذہب ہے تو مجھے اُن سے سخت نفرت ہے مَیں تو حضور کی خدمت میں رہنا چاہتی ہوں آپ نے اُسے زوجیت میں قبول کرلیا اور مدینہ لے آئے۔ ان بی بی کی نسبت بھی بہت سی جھوٹی روایتیں بنائی گئی ہیں جن کا سر نہ پیر۔ وہ روایتیں ہرگز قابل توجہ نہیں ہیں اور اُن میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہوسکتی ایک یہ الزام ہے کہ نکاح کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ تجھے محمد پسند آئے تو اُس نے کہا کہ میں نے اُنھیں بہت خوب پایا۔ پھر پہلی منزل میں بی بی صفیہ کا انکار پھر دوسری منزل میں ام سلیمہ والدۂ حضرت انسؓ کو بھیجنا کہ تو جاکے صفیہ کو سنگھار کرا اور پھر اُس کا صفیہ کو سمجھانا کہ دیکھیو انکار نہ کیجو پھر وقت مقاربت ابوایوب انصاری کا پہرہ پر برہنہ شمشیر لئے کھڑا ہونا پھر بعد فراغت آنحضرت کا دریافت کرنا کہ تو یہاں کیوں کھڑا تھا اُن کا جواب دینا کہ یہ عورت یہودن تھی اور اسکے باپ بھائی جنگ میں مقتول ہوئے تھے مبادا یہ دست درازی کربیٹھے تو میں فوراً مدد کو پہنچوں پھر آنحضرت کا اُسے دعا دینا کہ جسطرح تو نے نبی کی حفاظت کی ہے اسیطرح خدا بھی تیری حفاظت کریگا پھر صفیہ کا مدینہ آنا اور تمام مدینہ میں غل مچنا اور حضرت بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کا بھیس بدل بدل کے صفیہ کو دیکھنے آنا اور آنحضرت کا گھونگٹ میں حضرت بی بی عائشہ کو پہچان لینا پھر بی بی صفیہ کا شکایت کرنا کہ مجھے عائشہ اور حفصہ ستاتی ہیں اور یہ طعنہ دیتی ہیں کہ تو یہودن ہے تیری حقیقت ہی کیا ہے پھر آنحضرت کا بی بی صفیہ کو یہ جواب بتانا کہ جسوقت وہ تجھے یہودن کہا کریں تو یہ کہدیا کر کہ ہارون میرا باپ موسیٰ میرا چچا اور محمدؐ میرا خاوند ہے پھر آنحضرت کا بی بی عائشہ کو سمجھانا کہ تم اُسے تکلیف نہ دیا کرو وغیرہ وغیرہ یہ بے بنیاد روایتیں اور نالائق الزام ہیں جو حضور انور اور آپکی ازواج پر لگائے گئے ہیں اگر ہم فرض کرلیں کہ کسی اسلامی تواریخ میں بھی اس کا کھوج لگتا ہی پھر بھی ہم یہ کہسکتے ہیں کہ کسی مورخ

کا لکھنا یا کسی مفسر کا اپنی تفسیر میں درج کرنا یا کسی راوی کا روایت کرنا ایک خفیف سا الزام بھی رسول مقبول اور ازواج پاک پر نہیں قایم کرسکتا یہ سب چڑے چڑیا کی مہمل کہانیاں ہیں۔ اور صدق سے انھیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے اور اگر خود ان روایتوں کو ٹٹولا جائے گا تو ان میں شمہ برابر بھی صدق کا پتہ نہ لگے گا خیال نہیں ہوسکتا کہ جب پہلی منزل میں رسول کریم بی بی صفیہ کے پاس گئے تو انھوں نے اس بنا پر انکار کردیا کہ یہودیوں کا خوف تھا کہیں آنہ پڑیں اور رسول اللہ کو صدمہ پہنچائیں یہ بھید دوسری منزل میں کھولا گیا یہودیوں کا تو اُس وقت حملہ آور ہونا تھا کہ جب بی بی صفیہ اونٹ پر بیٹھ کے آنحضرت کے ساتھ خیبر سے چلی آئی تھیں جب ساتھ آنے پر کسی نے نہیں روکا تو دوسری منزل پر مقاربت کرنے میں کون مانع آسکتا تھا پھر یہ روایت کہ دوسری منزل میں حضرت انس کی والدہ کو صفیہ کے بناؤ سنگھار کا حکم ہوا تھا کیسی بیہودہ بات ہے بناؤ سنگھار کی اگر ضرورت تھی تو پہلی دفعہ ہونی چاہئے تھی نہ کہ دوسری بار آنحضرت کو اس کا خیال آیا پھر ابوایوب انصاری کا پہرہ دینا بھی عجیب مہمل حکایت ہے جس کا سر نہ پیر۔ رسول خدا ایسے کمزور بچہ تھے کہ ایک نہتی عورت آپکو نقصان پہنچا سکتی اور اسی لئے ابوایوب کو خوف ہوا تھا پھر ازواج پاک کا دیکھنے کو بھیس بدلکے آنا کیسا لغو استدلال ہے جبکہ وہ آزادی سے بھی آسکتی تھیں اور دیکھنے آنا کیا معنے وہ سب ایک مختصر جگہ علیحدہ علیحدہ حجروں میں ملکے رہتی تھیں کوئی بڑا محل تو تھا نہیں کہ انھیں ایک دوسرے کے پاس وقت سے آنا پڑے۔

شرم نہیں آتی کہ ایسی بے معنی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن کا سفسطہ ہونا بدیہی ہے ہم ایسے مفسروں یا مورخوں یا راویوں کو کیا لکھے جائیں جو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آیا رسول مقبول کے زمانہ میں ایسے واقعات ہو بھی سکتے ہیں اور اگر فرض کرو ہوئے تو تین صدی کے بعد ایک ایک منٹ کا حال اور بلفظہ گفتگو کی کیفیت اُنھیں کون کہنے آیا الہام اور وحی کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا پھر نہیں خیال ہوسکتا کہ زن و شوئی کے رازدارانہ تعلقات اور باہم گفت و شنید کا اُنھیں پوری تین صدی کے بعد پتہ لگ گیا ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ نکتہ چینیوں نے ان روایتوں کو اگرچہ وہ اسلامی کتب ہی میں سہی کس دلیل اور حجت سے صحیح

تسلیم کر کے اسلام اور بانیٔ اسلام پر اپنے بھلے پھپھولے پھوڑے ہم نے اس قسم کی باتیں بہت سے عیسائیوں کی کتابوں میں دیکھی ہیں مگر جو یوروپ کے اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں وہ کبھی ان بڑھے چڑیا کی کہانیوں پر خیال ہی نہیں کرتے اور نہ ایسی باتیں اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ حراث کی صاحبزادی تھیں آپ کا نکاح پہلے ابن عمر سے ہوا تھا مگر انھوں نے طلاق دیدی پھر آپکی شادی بورہم سے ہوئی اس کے بعد ۷ھ ہجری میں آنحضرت سے نکاح ہوا۔ معترضین کا یہ اعتراض کہ نکاح نہیں ہوا تھا بلکہ مقام سرف پر بی بی میمونہ نے اپنا نفس آنحضرت کو ہبہ کر دیا تھا ہبہ کرنا یا نکاح کرنے میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ نکاح میں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہبہ میں گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ نکاح میں بھی عورت اپنا نفس دو گواہوں کے آگے ایک شخص کو ہبہ کرتی ہے۔ یہ کوئی بڑے اعتراض کی بات نہیں ہے جسپر دریدہ دہنوں نے بہت کچھ ہرزہ گوئی سے کام لیا ہے اور پھر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بی بی میمونہ اونٹ پر جا رہی تھیں رسول اللہ نے دیکھکر فرمایا کہ اونٹ اور جو اونٹ پر ہے وہ میرا ہے یہ روایت محض لغو اور مہمل ہے اور اسکا کسی معتبر کتاب میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ یہ صحیح ہے کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر نکاح کے کسی عورت کو اپنے قبضہ میں لائے یعنی بغیر گواہوں کی موجودگی کے کسی عورت سے دائمی تعلق پیدا کرے کیونکہ گواہ ہر مقام پر بکثرت ملسکتے ہیں مگر نبی کے لئے یہ کوئی قید نہیں ہے اگر عام طور پر ہبہ کی رسم مسلمانوں میں بھی جاری ہو جاتی تو انتظام عالم اور تمدن اسلامی میں سخت تزلزل واقع ہوتا اس لئے منع کر دیا گیا ہے کہ خاص رسول کریم کے ساتھ یہ خصوصیت ہے اور کوئی مسلمان ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے رہا مجبوری کی حالت میں اور ایسی حالت میں کہ وہاں گواہ ملنا ناممکن ہو تو فقہانے اس کے لئے بہت کچھ احکام بیان فرمائے ہیں جنھیں ہم تفسیر میں بالتفصیل بتائیں گے۔

اس کے بعد میمونہ کے غسل کا تذکرہ ہے اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت میمونہ کے بچے ہوئے پانی سے نہالئے یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں جنھیں نفس مطلب سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے نہاتے وقت آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے یہ یہ باتیں کی تھیں نہیں صدی

بعد قیامت تک نہیں معلوم ہوسکتیں یہ ساری گڑھت ہی ہے واقعات سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیاں یا حرمیں

بعض ضعیف روایتوں میں آنحضرت کی حرموں کا بھی بیان ہے مگر سب غلط اور مہمل ایک روایت بھی کوئی صحیح نہیں ثابت
کرسکتا۔ نام گنانیکو تو ہزار کے نام گنا دیئے جائیں مگر صدق سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے بعض مستند کتب احادیث
میں بھی دو ایک حرموں کا تذکرہ ہے۔ مگر اتفاق نہیں ہے اور اس قسم کی کوئی روایت متفق علیہ آجتک نہیں ثابت ہوئی
بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت کی ران پر برص کا داغ تھا آپنے اُس سے علیحدگی اختیار کی اگرچہ اصول طب اور تمدن کے اس
روایت کو مغائرت تو نہیں ہے مگر ایسی باتیں رسول کریم کے زمانہ میں مشہور نہیں ہوسکتی تھیں یہ تو صدیوں کے بعد تراشی
گئی ہیں اور چونکہ ہر روایت عربی جامہ میں ہے اسلئے اُسکے پڑھنے والیکو دھوکا ہوتا ہے ہمارے پاس کوئی معیار ایسا
نہیں ہے جس سے جھوٹی سچی روایت پرکھی جائے اور معیار اسماء الرجال کی پیش کیجاتی ہے وہ بہت ہی ناکامل ہے بہر حال
ہم درایت سے جانچتے ہیں اور جبتک کوئی روایت درایت کی معیار پر کھری نہ اُترے گی ہمیں تو اُسکے ماننے میں تردد
مثلاً بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ بنت ضحاک آپ کی حرم تھیں انھیں خرچ کی تنگی ہوئی تو انھوں نے طلاق مانگی آپنے طلاق
دیدی اور پھر بیچاری فاطمہ فاقہ کشی کرکر کے مرگئی۔ پھر اسمائے بنت صامت کا بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت نے اس سے
ہم بستر ہونیکی درخواست کی تو وہ شادی مرگ ہوگئی۔ پھر قبیلہ بنی سلیم کی ایک عورت کا بیان ہوا ہے کہ اُسکے باپ
آنحضرت کے آگے اپنی بیٹی کے حسن و جمال کی تعریف کی آپ نکاح کرنے پر راضی ہوگئے مگر جب اُس نے منجملہ اور صفتوں کے
ایک یہ بھی صفت بیان کی کہ وہ کبھی مریض نہیں ہوئی تو آپ متنفر ہوگئے اور فرمایا ایسی عورت بہت ہی منحوس ہوتی ہے پھر لیلہ
شعبہ ہے جس کی ران پر برص کا وہ بیان کیا گیا اور جو دیکھتے ہی رسول کریم اٹھ کھڑے ہوئے تھے پھر اسماء بنت نعمان ہے
جس کا اسار ہے بارہ اوقیہ کا مہر چاندی کا تجویز کیا گیا تھا جب آنحضرت نے ابو سعید ساعدی سے اس عورت کو بلوایا تو حضرت
بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ نے اُسے یہ سکھا دیا کہ جسوقت رسول اللہ تیرے پاس آنے لگیں تم اسوقت یہ پڑھ دیجیو
اعوذ باللہ منک یعنی تجھ سے خدا کی پناہ جب لباس تبدیل ہوا اُس نے یہ کہدیا آپ یہ سنتے ہی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا تو نے
بڑی ذات کی پناہ ڈھونڈی ہے پھر آپکو معلوم ہوا کہ بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کی یہ چالاکی تھی پھر دوبارہ اُسے بلایا اور
اپنے پاس رکھا۔ پھر لیلی بنت حکیم کا بیان ہے کہ اُس نے آپکی پیٹھ پر دو ہتڑ مارا اور اُسوقت آپ دھوپ کیطرف سے پیٹھ کئے بیٹھے
تھے یہ دو ہتڑ گویا حصول کی کیطور پر تھا پھر اُسنے کہا کہ میں اپنا نفس آپکو سونپتی ہوں آپ راضی ہوگئے وہ یہ قول اقرار کرکے

چار خلفا کے وقت میں تو ایسی روایتوں کا نام و نشان بھی تھا کسی کے کان میں ایسی بھنک تک پڑی تھی پہلی صدی میں ازواج [illegible]
اندرونی تعلقات کا ذکر نہیں آیا دوسری صدی بھی خاموش گزر گئی مگر تیسری صدی اپنے ساتھ حدیثوں کا انبار لائی اور
اس کے آتے ہی حدیثوں کے صدہا دفتر مرتب کر دیئے گئے نتیجہ یہ دونوں کی روایتوں اور حدیثوں کا اسی صدی میں [illegible]
اس قسم کے قصے کہانیوں نے اسی زمانہ میں آ کے جنم لیا حضرت فاروق اعظم نہایت دور اندیش خلیفہ تھے جنھوں نے [illegible]
میں سختی کے ساتھ حدیثوں کی روایت کرنے کی ممانعت کر دی تھی فی الحقیقت یہ بہت بڑی حکمت بالغہ تھی اگر مسلمانوں [illegible]
باہمی فساد اور خونریزی نہ ہوتی تو ہرگز حدیثوں کی اشاعت اس کثرت سے کبھی نہ ہوتی خواہ تمدن کا دائرہ کیسا ہی وسیع ہو
اور فتوحات کتنی ہی ترقی پذیر ہوتیں۔ چاروں خلفاء کی یہی کیفیت تھی حضرت عثمان غنی نے تو اعلان جاری کر دیا
تھا کہ جو حدیثیں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق نے روایت کی ہیں اگر انکے سوا ایک حدیث بھی کسی نے روایت کی تو
سزا دی جائیگی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے لشکرگاہ میں سے ایک شخص کو ٹھوکے نکلوا دیا تھا صرف اس جرم میں کہ وہ اپنی طرف
سے بنا بنا کے حدیثیں بیان کیا کرتا تھا کاش یہی انتظام رہتا تو آج کو اسقدر اختلاف نہ ہوتا اور مسلمان [illegible]
صحابہ راشدین کی روایت سے جتنی روایتیں ہیں انکا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے مگر تیسری صدی [illegible]
روایت سے حدیثوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور یہ امر بڑا ہی عجیب ترین ہے سب سے زیادہ بعض [illegible] نے
ستم توڑ دیا ہے وہ ناپاک باتیں بیان کر گئے ہیں جن کے بیان کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی مثلاً کسی بی بی نے [illegible]
کا پیشاب بھولے سے پی لیا اور اسکی بیماری دور جاتی رہی یا کسی نے فضلہ کھا لیا اور اس کا جسم تمام [illegible]
ہو گیا [illegible] کا فضلہ زمین کھا جاتی تھی ان حضرات سے دریافت کیا جائے کہ ایسی رکیک [illegible] ضروری باتوں [illegible]
کرنے کا منشا کیا ہے اور کونسی دینی بات اس سے پیدا ہوتی ہے اور شریعت کے کون سے اصول کی تعلیم ہوتی ہے [illegible]
میں لکھا ہے یا روضۃ الاحباب میں خواہ الواقدی میں لکھا ہو یا ابوالفدا میں کسی کتاب میں کیوں نہ لکھا ہو کہنا [illegible] ضروری
جن حدیثوں میں اس قسم کی لغویات نہیں ہیں وہی حدیثیں صحیح ہیں یا جو حدیثیں بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہو [illegible]
راشدین کی ہیں تو سب سے زیادہ وہی معتبر ہیں اور انکے علاوہ جتنی حدیثیں اور روایتیں ہیں انمیں بار بار شک کی گنجائش [illegible]
ہمیں خاص ازواج پاک کی نسبت جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکے شاید ہماری یہ تحریر پسند آئے اور [illegible]
ہو ہم اس سے بھی کہیں زیادہ بحث کر سکتے تھے مگر ہم نے عمداً طول نہیں دیا ہمارے خیال میں اسیقدر
کافی ہے اگرچہ اس میں بہت کچھ ابھی لکھنے کی گنجائش باقی ہے لیکن ہماری بساط کے قابل اسیقدر [illegible]